لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القرآن الحکیم ۶۵:۱۲

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

صلح۔تبلیغ ۱۳۸۹ھش

جنوری۔فروری ۲۰۱۰ء

مصلح موعودؓ نمبر

24th West Coast USA Jalsa Salana Held on December 25-27, 2009 at Baitul Hameed Mosque, Chino, California

Symposium at Noor Mosque, York, PA

Religious Founders Day, North Jersey

Interfaith symposium held at St. Paul, MN

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (2:258)

النـــور

جنوری۔فروری 2010

جماعت احمدیه امریکه کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّه

فہرس

لکھنے کا پتہ: karimzirvi@yahoo.com
Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ O

(حٰمٓ السجدۃ : 38)

نہ سورج کوسجدہ کرواور نہ چاندکو۔اوراللہ کوسجدہ کروجس نے انہیں پیدا کیااگرتم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

{700 احکام خُداوندی صفحہ 58,57}

قرآن کریم

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ لا فَإِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

(المائدة: 4)

تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے اور خون اور سؤر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور دم گھٹ کر مرنے والا اور چوٹ لگ کر مرنے والا اور گر کر مرنے والا اور سینگ لگنے سے مرنے والا اور وہ بھی جسے درندوں نے کھالیا ہو سوائے اس کے کہ جسے تم (اس کے مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ (بھی حرام ہے) جو معبودانِ باطلہ کی قربان گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بات بھی کہ تم تیروں کے ذریعہ آپس میں حصے بانٹو۔ یہ سب فسق ہے۔ آج کے دن وہ لوگ جو کافر ہوئے تمہارے دین (میں دخل اندازی) سے مایوس ہو چکے ہیں۔ پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔ پس جو بھوک کی شدّت سے (ممنوعہ چیز کھانے پر) مجبور ہو چکا ہو اس حال میں کہ وہ گناہوں کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو اللہ یقیناً بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ :

یہ آیتِ شریفہ قرآن مجید میں کس وقت نازل ہوئی؟ ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ایک آیت آپ کی کتاب میں ہے۔ اگر ہماری کتاب میں ہوتی تو جس دن وہ اُتری تھی اُسے عید کا دن قرار دیتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اُس نے یہ آیت پڑھی اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ط جناب عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی؟ کس وقت نازل ہوئی؟ کہاں نازل ہوئی؟ مَیں اسے خُوب جانتا ہوں وہ جمعہ کا دن تھا۔ وہ عرفہ کا دن تھا۔ وہ اسی عید الاضحٰی کا دن تھا۔ وہ اسی عید الاضحٰی کا مقدمہ تھا۔ عرفات میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم (نوے دن۔ مرتب) زندہ رہے۔ یوں تو اللہ جلّشانہٗ کا نزول ہر روز خاص طرز پر رات کے آخر ثُلث میں ہوتا ہے مگر جمعہ کے دن پانچ دفعہ اور عرفات کو نو دفعہ نزول ہوتا ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ شیطان ایسا کبھی یاس میں نہیں ہوتا جیسے عرفات کے دن۔ یہ وہ دن ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ہماری نعماء دینیہ کیلئے جس کتاب کو نازل کیا تھا اُسے کامل کر دیا۔ کامل دین جس کا نام اسلام ہے اُسے اُسی دن کامل کر دیا جس دین کی متابعت ضروری اور اس پر کاربند ہونا سعید انسان کو لازم ہے۔ اس کے اصول اور فروع اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دن میں تمام وکامل کر دیئے۔ وہ چیز جس کو کامل طور پر تمہیں نہیں بلکہ دنیا کو پہنچانے کیلئے سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری دعاؤں اور کل طاقتوں اور مساعی جمیلہ کو پورے طور پر لگایا تھا۔ اس کا نام اسلام ہے۔ اور اسکی تکمیل کا دن جمعہ کا مبارک دن اور عرفات کا پاک دن ہے۔

(حقائق الفرقان جلد دوم صفحات 75-78)

۔۔۔احادیثِ مبارکہ۔۔۔

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِالْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَھُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَآءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلنِّسَآءِ: اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اِنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُّصُوْقِھَا بِہٖ۔

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق)

حضرت ابی اسید انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو مسجد سے باہر جس وقت عورتیں گلی میں مردوں کے ساتھ مل کر بھیڑ کی شکل میں چل رہی تھیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خواتین راستہ کے ایک طرف ہو کر یعنی فٹ پاتھ پر چلیں۔ یہ مناسب نہیں کہ وہ راستہ کی روک بن جائیں۔ ابو اسیدؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد عورتیں سڑک کے ایک طرف ہو کر دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر چلا کرتیں۔ بعض اوقات تو وہ اس قدر دیوار کے ساتھ لگ کر چلتیں کہ ان کے کپڑے دیوار کے ساتھ اٹک اٹک جاتے۔

☆=====================☆

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَقَدْرَاَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّۃِ فِیْ شَجَرَۃٍ قَطَعَھَا مِنْ ظَھْرِ الطَّرِیْقِ کَانَتْ تُؤْذِی الْمُسْلِمِیْنَ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ، مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَۃٍ عَلٰی ظَھْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ: وَاللّٰہِ! لَاُنَحِّیَنَّ ھٰذَا عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ لَایُؤْذِیْھِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ۔

(مسلم کتاب البر والصلة باب فضل ازالة الاذی عن الطریق)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو جنت میں پھر رہا تھا۔ اس نے صرف یہ نیکی کی تھی کہ ایک کانٹے دار درخت کو جس سے راہ گزرنے والے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، راستے سے کاٹ دیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے راستہ میں ایک درخت کی لٹکی ہوئی ٹہنی دیکھی جس سے مسلمانوں کو گزرتے وقت تکلیف ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔ خدا کی قسم! میں اس ٹہنی کو کاٹ کر پرے ہٹادوں گا تاکہ مسلمانوں کو یہ تکلیف نہ دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس (کے اس فعل) کی قدر کی اور اس کو بخش دیا۔

☆=====================☆

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پیشگوئی مصلح موعود

''مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جوتُو نے مجھ سے مانگا۔سومَیں نے تیری تضرّعات کوسُنا۔اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی۔اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔اے مظفر! تجھ پر سلام۔خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ایک کھلی نشانی ملے۔اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔سو بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے۔اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نوراللہ ہے۔مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔اس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دَولت ہوگا۔وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔فرزندِ دلبند گرامی ارجمند۔مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاۗءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔نور آتا ہے نور۔جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسُوح کیا۔ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔وہ جلد جلد بڑھے گا۔اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔''

(اشتہار 20فروری1886 مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل)

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

هست بر عقل منّتِ الهام　　كه اَزُو پُخت، هر تصوّرِ خام

عقل پر الہام کا یہ احسان ہے کہ اس کی وجہ سے ہر ناقص تصوّر پختہ ہو گیا

آنکه بشکستِ هر بُتِ دلِ ما　　هست وحيِ خدائے بے همتا

وہ چیز جس نے ہمارے دل کے ہر بُت کو توڑ دیا وہ خدائے لاثانی کی وحی ہی تو ہے۔

آنکه مارا رُخِ نگار نمود!　　هست الهامِ آں خدائے ودود

وہ جس نے ہمیں معشوق کا چہرہ دکھا دیا وہ خدائے مہربان کا انعام ہی تو ہے

آنکه دادازیقینِ دل جامے　　هست گفتارِ آں دلآرامے

وہ جس نے دلی یقین کا جام ہمیں دیا وہ اُس محبوب کی گفتار ہی تو ہے

وصلِ دلدارو مستی از جامش　　همه حاصل شده زِ الهامش

دلبر کا وصل اور اُس کے جامِ شراب کا نشہ سب اُس کے الہام سے حاصل ہوئے

وصلِ آں یار، اصلِ هر کا میست　　وانکه زِیں اصل غافِل، آں خامیست

ہر مقصد کا اصل اُس یار کا وصل ہے اور جو اس اصل سے غافل ہے وہ کچا ہے

بے عطّیات ماهمه بے زاد　　بے عنایات ماهمه برباد

اس کی نعمتوں کے سوا ہم سب تہی دست ہیں اور اس کی عنایتوں کے بغیر ہم سب برباد ہیں

(دُرِّثمین فارسی مترجم حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل رضی اللہ عنہ 123-124)

خطبہ جمعہ

ہر مومن خلیفۃ اللہ ہے

خلیفہ کے تعیین سے اللہ کا یہ منشاء نہیں کہ سب کو آزاد کر کے سب کام اس کے ذمہ لگا دیئے جائیں ۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ کام تقسیم کرے اور اس کی نگرانی کرے۔

انسان کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ خود خداتعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور دوسروں کو تعلق پیدا کروائے۔ اسی کا نام دین ہے یہی اسلام ہے

دونوں حالتوں میں انسان باہر نہیں رہ سکتا۔ جب تک اسے خاص مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اس وقت تک تو اس لئے لگا رہے کہ وہ مقام حاصل ہو۔ اور جب حاصل ہو جائے تو اس لئے لگا رہے کہ خداتعالیٰ کا یہ مجھ پر فضل ہوا ہے۔

خطبہ جمعہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ مورخہ 17 مارچ 1922

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

میں نے بارہا اپنے احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے اور اب پھر دلاتا ہوں کہ ہم نے ایک خاص اور اہم کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہمیں یہ کام کرنا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ ہم نے کرنا ہے بلکہ یہ کہ ہماری ترقی ہماری بہبودی اور ہماری کامیابی کیلئے اس کا پورا ہونا ازبس ضروری ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ اگر ہم اس کام کو نہ کریں گے تو ہماری ناکامی اور نامرادی کا ٹھکانا نہیں وہ کام کیا ہے؟ یہی کہ اسلام کو یعنی خداتعالیٰ کی فرمانبرداری کو اور خداتعالیٰ سے تعلق کے رشتہ کو ہم اپنی ذاتوں میں ہی مضبوط نہ کریں گے بلکہ دوسروں میں بھی اسے قائم کریں گے۔ اور ان کے دلوں میں اس رشتہ کو مضبوط کردیں گے۔ یہ کام کوئی معمولی کام نہیں پھر یہ کوئی ایک دن میں یا دو دن میں یا تین دن میں ہونے والا کام نہیں۔ اور کسی معمولی کوشش کے نتیجہ میں اس میں ہم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ بلکہ یہ بہت بڑا کام ہے۔ جو ایک نسل کے کرنے کا بھی نہیں دو نسلوں کے کرنے کا بھی نہیں بلکہ یہ ایسا کام ہے کہ ہر نسل جو آئے گی اسی کا یہ کام ہوگا۔ کیونکہ یہ کام جو ہم نے اختیار کیا اور اپنے ذمہ لیا ہے اور ذمہ کیا لیا ہے جس دن ہم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اسی دن سے ہمارے ذمہ ڈالا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ یہ کام کرے اور اگر یہ کام نہ ہوتا تو خدا بندہ کو پیدا ہی نہ کرتا۔ پس انسان کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ خود خداتعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور دوسروں کو تعلق پیدا کروائے۔ اسی کا نام دین ہے یہی اسلام ہے۔ اسی کو مذہب کہا جاتا ہے۔ اس سے باہر نہ کوئی مذہب ہے نہ سلسلہ ہے۔ نہ دین ہے پس ہماری اور نہ صرف ہماری بلکہ ہمارے باپ دادوں کی بھی پیدائش سے پہلے یہ

کام ہمارے ذمہ رکھا گیا ہے۔اور یہ ایسا کام ہے کہ اس کو بدلنے کے ہم مجاز نہیں ہیں۔دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ جس کام کو جی نہ چاہے اسے چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لیا جاتا ہے۔مثلاً اگر کوئی زراعت کرنا نہیں چاہتا تو زمین بیچ کر تجارت شروع کر دیتا ہے۔اگر کوئی تجارت کرنا نہیں چاہتا تو مال فروخت کر کے روپیہ زمین داری میں لگا دیتا ہے۔پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص ان دونوں کو پسند نہ کرے۔وہ کوئی ہنر اور پیشہ سیکھ کر اس سے زندگی بسر کرتا ہے۔پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی آزاد پیشہ اختیار نہ کرے نوکری کر لے۔پھر ان کے علاوہ ان کاموں کی اور تقسیمیں ہیں' ایک زمیندار کی مرضی ہے کہ چاہے گیہوں بوئے۔چاہے رُوئی۔ایک تاجر کی مرضی ہے کہ خواہ کپڑے کی تجارت کرے خواہ غلہ کی پرچون کی تجارت کرے' مشینوں کی کسی چیز کی کرے اس کی مرضی ہے۔اسی طرح ایک ملازم کا اختیار ہے کہ اگر اس کا دل چاہے تو ریلوے میں نوکری کرے۔اور اگر اس کو پسند نہیں کرتا تو ڈاک خانہ میں کر لے۔اگر اس کو بھی پسند نہیں کرتا تو کچہری میں کر لے۔یہی حال پیشوں کا ہے۔چاہے کوئی نجاری کرے یا معماری۔چاہے کوئی ڈاکٹری کرے یا وکالت اختیار کرے۔کوئی پیشہ اختیار کرے۔یہ اس کے اختیار کی بات ہے۔مگر یہ کام جو ہمارے سپرد ہوا ہے۔یہ ان کاموں میں سے نہیں ہے جن کو بدلا جا سکتا ہے۔ان کا بدلنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔جس طرح کسی کے اختیار میں یہ تو ہے کہ جو پیشہ چاہے اختیار کرے اور جو کام پسند کرے وہ کرے لیکن کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ قانون قدرت نے جو ذرائع ان پیشوں اور کاموں میں کامیابی کے حصول کے مقرر کئے ہیں ان کو چھوڑ کر اور طرف نکل جائے۔یہ بات تو اس کے اختیار میں ہے کہ ایک دفتر کی کلرکی نہیں کرنا چاہتا تو دوسرے کی کر لے۔مگر وہ یہ نہیں کر سکتا کہ آنکھوں سے لکھے اور ہاتھوں سے دیکھے۔اسی طرح اس بات میں ہمارا اختیار نہیں ہے کہ اس زندگی کا اصل مقصد کوئی اور قرار دے لیں۔

انسان کی زندگی کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جس کو ایک جگہ بتا دی جائے۔اور کہہ دیا جائے کہ تم فلاں جگہ پہنچو۔اور اسے راستہ میں ٹھہرنے اور گزرنے کی منزلیں بھی بتا دی جائیں۔اب اسے یہ تو آزادی ہے کہ سڑک کے خواہ دائیں پہلو پر چلے یا بائیں پر۔اور یہ بھی وہ کر سکتا ہے کہ کسی جگہ ٹھہر کر آرام کرے۔لیکن یہ نہیں کہ جہاں اسے پہنچنا ہے اسے چھوڑ کر کسی اور طرف چل پڑے۔اسی طرح انسان کی مثال ہے۔انسان کو بتا دیا گیا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کو ملنا اور اس تک پہنچنا ہے۔اس کیلئے اسے راستہ اور راستہ کی منزلیں بتا دی گئی ہیں۔کہ اس طریق سے جانا ہے اور یہ شریعت ہے۔باقی اسے آزادی دے دی گئی ہے کہ عمدہ کپڑے پہنو یا ادنیٰ۔اعلیٰ کھانا کھاؤ یا معمولی جو میسر ہوا سے جس رنگ میں چاہو استعمال کرو۔مگر اصل مقصد کو نہیں بھولنا۔اور اس کی مقررہ منزلیں نظر انداز نہیں کرنی۔یعنی احکام شریعت کو نہیں چھوڑنا۔ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا پس انسانی زندگی کا یہ ایسا مقصد ہے جس میں آدم سے لیکر اب تک کوئی تبدیلی نہیں کر سکا۔دنیا نے بڑی ترقی کی ہے اور بڑی اہم باتوں میں کامیابی حاصل کی ہے۔مگر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکا۔پھر یہ ایسا مقصد نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاصل کر لیا تو اور کسی کو اس کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں یا اس کیلئے اس کا حاصل کرنا ضروری نہیں۔

اسلام میں کفارہ نہیں یہ نہیں کہ ایک کامیاب ہو گیا تو دوسروں کو اس کی کامیابی سپرد کر دی جائے گی۔جہاں اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ ایک جرم کرے تو دوسرے کو پکڑ لیا جائے۔اسی طرح یہ بھی جائز نہیں رکھتا کہ ایک اعمال کرے تو دوسرے کو اس میں سے حصہ مل جائے۔حضرت مسیحؑ کہتے ہیں میرے پیچھے وہی آ سکتا ہے جو اپنی صلیب آپ اٹھائے (متی) یعنی خود عمل کرے۔اسلام بھی یہی کہتا ہے جو حضرت مسیح نے تمثیلی رنگ میں کہا کہ وہی انسان اپنے مقصد کو پہنچ سکتا ہے جو اپنی صلیب آپ اٹھائے۔دوسرے کے اٹھانے سے نہیں پہنچ سکتا۔پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی یا آپ کے صحابہ کی ترقی کی وجہ سے دوسرے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا کام پورا ہو گیا۔بلکہ ہر ایک کو اس کیلئے خود کوشش کرنی چاہیئے اور جب تک ہر ایک کوشاں نہ ہوگا اس میں کامیابی نہیں ہوگی۔مگر میں دیکھتا ہوں کہ لوگ ناموں سے دھوکہ کھاتے ہیں وہ جب یہ سنتے یا پڑھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کیا تو کہتے ہیں وہ تو خدا کے رسول تھے جو کام انہوں نے کیا وہ ہمارے کرنے کا نہیں ہے۔گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے رسول کریمؐ پر تو اس کام کے کرنے کا بوجھ رکھا تھا اور نعوذ باللہ ان پر ناراضگی تھی کہ ان کیلئے شرط لگا دی کہ یہ کام کرو گے تو جنت ملے گی۔مگر یہ خدا کے ایسے پیارے ہیں کہ ان کیلئے خدا نے کوئی کام نہیں رکھا۔بجائے اس کے کہ اگر یہ کہتے کہ ہمارے لئے خدا تعالیٰ نے یہ کام رکھے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے آزاد تھے۔تو اگر چہ یہ بھی غلط ہوتا مگر ایک بات تو تھی۔چنانچہ صحابہ میں سے جو بھی اعلیٰ

مقام پر نہ پہنچے تھے انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ آپ کیوں اس قدر عبادت کرتے ہیں۔آپ تو خدا کے پیارے اور محبوب ہیں۔یہ ایسی بات ہے جو بظاہر کہی جا سکتی ہے مگر یہ بھی غلط تھی۔کہ آپ کو عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔مگر یہ غلطی ایسی تھی کہ جس کے متعلق ٹھوکر لگ سکتی تھی۔اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ مجھے اعمال کی ضرورت نہیں ہے تو میرا کام ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی اور زیادہ عبادت کروں کہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر یہ احسان ہوا ہے۔اور اگر مجھے اعمال کی ضرورت ہے تو بھی میرا کام ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کروں تا کہ مجھ پر اور فضل نازل ہوں۔

(بخاری کتاب التهجد باب قيام النبی صلی اللہ علیه وسلم حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ)

اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ دونوں حالتوں میں انسان باہر نہیں رہ سکتا۔ جب تک اسے خاص مقام حاصل نہیں ہوتا۔اس وقت تک تو اس لئے لگا رہے کہ وہ مقام حاصل ہو۔اور جب حاصل ہو جائے تو اس لئے لگا رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ مجھ پر فضل ہوا ہے۔

پس خدا تعالیٰ کا فضل ہونے پر کام اور زیادہ کرنا چاہیئے نہ کہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حالتوں کے متعلق یہی رکھا ہے۔مگر بہت لوگ ہیں جو رسول کے لفظ سے دھوکا کھا جاتے ہیں کہ آپ تو رسول تھے۔آپ کا فرض تھا کہ اس طرح کرتے بعض لوگ کہتے ہیں یہ پیروں اور صوفیوں کا کام ہے۔ ہمارا کام نہیں۔اور ہماری جماعت کے لوگ سمجھتے ہیں یہ خلیفہ کا کام ہے۔حالانکہ خلیفہ کا کام کے یہ معنی ہیں کہ خلیفہ کام کو ایک انتظام میں لائے نہ یہ کہ سب اسی کا کام ہے۔اور باقی سب لوگ آزاد ہیں۔دیکھو ایک گھر میں خاوند بیوی بچے ہوتے ہیں لیکن خاوند کے خاوند کہلانے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ باقی گھر کے سب آدمی کام چھوڑ بیٹھیں اور سارے کام خاوند کو کرنے پڑیں۔بلکہ بیوی بچے بھی گھر کے کاموں کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔تمام گھروں میں یہ تسلیم شدہ امر ہے اور کوئی یہ نہیں مانے گا کہ میں خاوند ہوں اس لئے سب کام کرنا میرا ہی فرض ہے۔بلکہ عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ زیادہ تر کام بیوی بچوں سے کراتے ہیں اور اپنے آپ کو حاکم سمجھتے ہیں۔مگر دین کے معاملہ میں کہتے ہیں کہ سب خلیفہ کا کام ہے۔ہمیں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔گویا بالکل الٹ نقشہ ہے۔کیا خاوند کے ہاتھ میں گھر کی حکومت آنے سے گھر کے دوسرے لوگوں کا کام بند ہو جاتا ہے۔اس کے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ سب کے کام تقسیم کر دے۔اور اگر کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے تنبیہ کرے۔اسی طرح خلیفہ کے تعین سے اللہ کا یہ منشا نہیں کہ سب کو آزاد کر کے سب کام اس کے ذمہ لگا دیئے جائیں۔بلکہ یہ ہے کہ وہ کام تقسیم کرے اور اس کی نگرانی کرے۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ کیوں آیا ہے کہ اللہ تم کو خلیفہ مقرر کرے گا۔ اس سے بعض نادانی سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ایک خلیفہ کی ضرورت نہیں۔ انجمن ہونی چاہیئے اور بعض کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم خلیفہ مقرر کریں گے۔اور باری باری مقرر کریں گے۔مگر یہ دونوں معنی غلط ہیں۔صحیح معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی خلیفہ مقرر ہوتا ہے۔پھر اور مقرر ہوتا ہے۔پھر اور اس لئے جمع کا لفظ آیا ہے پھر اس لحاظ سے جمع کا صیغہ آیا ہے کہ جو بندہ دنیا میں موجود ہے۔اور خدا کا بندہ کہلاتا ہے وہ خدا کا خلیفہ ہوتا ہے۔اس کا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام دنیا میں جاری کرے۔اور دوسروں تک پہنچائے۔اس لحاظ سے ہر مومن خلیفہ ہے۔اور جسے خدا مقرر کرتا ہے وہ الگ خلیفہ ہے۔پس خدا تعالیٰ کے احکام جاری اور قائم کرنے کیلئے ہر ایک مومن خلیفہ ہے۔اور جب تک ہماری جماعت کا ہر ایک فرد یہ نہ سمجھے کہ وہ خلیفہ ہے۔اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی۔ جب تک لوگوں میں یہ مادہ پایا جاتا ہے کہ بعض پر کام چھوڑ کر آپ غافل بیٹھ رہتے ہیں۔اس وقت تک ان کے تباہ و برباد ہونے میں کوئی شک نہیں۔لیکن جب یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ ہر ایک سمجھ لے یہ میرا ہی کام ہے تو اس وقت ایسی قوت اور طاقت پیدا ہو جائے گی کہ جسے کوئی توڑ نہیں سکے گا۔اس وقت اس دیو کی مثال ہوگی جس کا قصہ بچپن میں پڑھا کرتے تھے کہ ایک ایسا دیو ہے کہ اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو دس اور نکل آتے ہیں۔یہ تو قصہ ہی ہے۔مگر اس جماعت کا حال یہی ہوگا کہ اگر ایک کو کاٹا جائے گا تو دس نکل آئیں گے مگر جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں یہ کام کریں۔ان میں سے جب وہ لوگ نہیں رہتے جن کے ذمہ کام سمجھ کر اپنے آپ کو آزاد سمجھا جاتا ہے تو جماعت ٹوٹ جاتی ہے کوئی جماعت کامیاب اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اس کا ہر فرد سمجھتا ہو کہ سلسلہ کا چلانا اور کام کو جاری رکھنا میرے ذمہ ہے ہاں انتظام اور نگرانی کرنا ایک کے سپرد ہے۔

خلافت کا قیام جماعت کے اجتماع کیلئے ہے۔نہ اس لئے کہ ایک کے ذمہ سارا کام ہو جاتا ہے اور باقی آزاد ہو جاتے ہیں۔یہ بات ہے جو میں چاہتا ہوں کہ

ہماری جماعت کے لوگ سمجھیں۔ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اور جاہل سے جاہل انسان میں بھی یہ جوش اور خیال ہونا چاہیئے کہ میں خلیفہ ہوں اور خدا کے دین کی اشاعت کا کام میرے ذمہ لگایا گیا ہے اگر ہماری جماعت میں یہ احساس پیدا ہوجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اب تو زیادہ جماعت ہے اگر اس کا چوتھا نہیں ہزارواں حصہ بھی جماعت ہوتی تو دنیا کو فتح کرنے کا کوئی فکر نہ ہوتا لیکن اب یہ جو حالت ہے کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں اشاعت دین خلیفہ کا کام ہے یا ناظر یا اور لوگ اس کے ذمہ وار ہیں۔اس صورت میں اگر 10 کروڑ بھی اور لوگ شامل ہوجائیں تو کچھ نہیں کرسکتے۔حضرت مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے کہ اگر چالیس آدمی مل جائیں تو دنیا فتح ہوسکتی ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جماعت کی تعداد 4لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔پھر چالیس آدمی کیسے چاہتے تھے؟ ایسے ہی کہ جن میں سے ہر ایک یہی کہے کہ اشاعت اسلام کا کام میرے سپرد ہے۔اور میں ہی اسے پورا کرنے کا ذمہ وار ہوں اب بھی اگر ایسے چالیس آدمی مل جائیں تو دنیا کا فتح کرنا مشکل نہیں۔چند دن میں دنیا کا نقشہ بدلا جاسکتا ہے۔لیکن اگر ایسے غافل لوگ جن کی عادتیں اس رنگ کی ہیں جس طرح چند پیسے چوکیدار کو دے کر اپنے آپ کو امن میں سمجھ لیتے ہیں یا جن کی مثال اس کبوتر کی سی ہے جو بلی سے بچنے کیلئے آنکھیں بند کر کے بیٹھ رہتا ہے۔یہ خواہ کتنے بھی ہوں کچھ نہیں کرسکتے۔جب تک ہر شخص کے دل میں یہ امنگ اور یہ جوش نہ ہو کہ میں خدا کے دین کو دنیا میں پھیلاؤں گا اس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی۔ایسے جوش والے اگر چالیس آدمی بھی پیدا ہوجائیں تو چند ہی دن میں عظیم الشان تغیر کرسکتے ہیں۔

مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود ابھی تک یہ احساس پیدا نہیں ہوا اور لوگ یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ کام کے ذمہ دار خلیفہ یا دو چار شخص ہیں۔

حالانکہ خلیفہ کا کام تو یہ ہے کہ نگرانی کرے اور دوسرے کے سپرد کام کرے۔جو سب کے سب اپنے آپ کو کام کے ذمہ وار سمجھیں لیکن ہماری جماعت کے لوگوں کی موجودہ حالت ایسی ہے جیسے ایک فوج کے افسر مقرر ہوں کرنل جرنیل۔اس پر سپاہی لڑائی چھوڑ کر بیٹھ رہیں کہ جرنیل جو مقرر ہو گیا ہے وہی لڑے گا۔کیا کوئی ایسی فوج کامیاب ہوسکتی ہے؟ جب تک ہر سپاہی یہ نہ سمجھے کہ ملک کو بچانے کی ذمہ واری اس پر بھی ویسی ہی ہے جیسے جرنیل پر ہے اس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی۔جرنیل کا کام تو یہ ہوتا ہے اور اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ سپاہی کو بتائے کہ اسے کہاں کھڑا ہونا چاہیئے۔اور کس طرح کام کرنا چاہیئے نہ یہ کہ سپاہی پر کام کی ذمہ داری نہیں رہتی۔اسی طرح مذہبی جماعت میں جب تک یہ احساس نہ ہو کہ اس کا ہر فرد اپنے آپ کو اشاعت اسلام کا ذمہ وار سمجھے۔اس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی اور اس وقت تک اس کے تمام دعوے باطل اور تمام کامیابی موہوم ہے۔

ہم میں سے ہر شخص سمجھ لے کہ اشاعت اسلام اسی کا کام ہے کسی اور کا نہیں۔جب ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے تو کوئی چیز ان کے سامنے روک نہ بن سکے گی نہ ان کے سامنے مال نہ ان کے سامنے تکالیف نہ حکومتیں نہ فوجیں غرض کہ کوئی چیز نہ ٹھہر سکے گی۔وہ ڈائنامیٹ کی طرح ہونگے۔جو پہاڑوں کو اُڑا کر پھینک دیتا ہے۔گو وہ تھوڑے ہونگے لیکن بارود بھی تھوڑا سا ہی پہاڑ اُڑا دیتا ہے۔یہ روح ہماری جماعت کو پیدا کرنی چاہیئے۔اس کے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی۔

خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دے کہ وہ اپنے فرض کو سمجھے اور ان میں ایسی روح پیدا ہو کہ ہر ایک فرد سمجھ لے کہ دین کی اشاعت کا ذمہ وار میں ہی ہوں۔اور اس کو پورا کرنے میں لگ جائے۔

(الفضل 23مارچ1922)

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب کہتے ہیں کہ:

جب میں حضرت مصلح موعودؓ کو پڑھایا کرتا تھا تو ایک دن میں نے کہا کہ میاں آپ کے والد صاحب کو تو کثرت سے الہام ہوتے ہیں کیا آپ کو بھی الہام ہوتا اور خوابیں آتی ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! خوابیں تو بہت آتی ہیں اور ایک خواب تو روز ہی دیکھتا ہوں کہ مَیں ایک فوج کی کمان کررہا ہوں۔مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جب میں نے آپ سے یہ خواب سنا تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ کسی دن جماعت کی قیادت کریں گے۔

(حضرت مصلح موعودؓ صفحہ 8)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

منظوم کلام حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ

آپ وہ ہیں جنہیں سب راہ نما کہتے ہیں
اہلِ دل کہتے ہیں اور اہلِ دُعا کہتے ہیں

آپ کو حق نے کہا ''سخت ذکی'' اور ''فہیم''
''مظہرِ حق و علیٰ۔ ظلِّ خدا'' کہتے ہیں

رستگاری کا سبب آپ ہیں قوموں کیلئے
ہر مصیبت میں تمہیں لوگ دوا کہتے ہیں

استجابت کے کرشمے ہوئے مشہورِ جہاں
آپ کے دَر کو دَرِفیض وعطا کہتے ہیں

کوئی آتا ہے یہاں سائلِ دنیا بن کر
مطلب اپنا وہ زَرو مال وغنا کہتے ہیں

رزق اور عزّت و اولاد کے گاہک ہیں کئی
بخشوانے کو کوئی اپنی خطا کہتے ہیں

کوئی دربار میں آتا ہے کہ مل جائیں علوم
کوئی اپنے کو طلب گارِ شفا کہتے ہیں

نیک بننے کیلئے سینکڑوں در پر ہیں پڑے
خود کو مُشتاقِ رہِ زُہدوتقیٰ کہتے ہیں

طالبِ جنّتِ فردوس ہیں اکثر عاقِل
دارِ فانی کو فقط ''ایک سَرا'' کہتے ہیں

میں بھی سائل ہوں طلبگار ہوں اک مطلب کا
کوئے احمد کا مجھے لوگ گدا کہتے ہیں

میری ایک عرض ہے اور عرض بھی مشکل ہے بہت
دیکھئے آپ بھی سُن کر اُسے کیا کہتے ہیں

جس کی فرقت میں تڑپتا ہوں، وہ کچھ رحم کرے
یعنی مل جائے مجھے جس کو خدا کہتے ہیں

ہیچ کس نیست کہ در کوئے تو اش کارے نیست
ہر کس ایں جا بأمیدِ ہَوَسے می آید

(بخارِ دل صفحہ 50,49)

حضرت آدم کے متعلق ایک اور زبردست انکشاف

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

ایک اور زبردست انکشاف قرآن کریم آدم اِنسانیت کی نسبت یہ کرتا ہے کہ جنت میں لائے جانے سے پہلے ہی اُس کے پاس اُس کی بیوی تھی، چنانچہ قرآن کریم میں آدم کی بیوی کی پیدائش کا کوئی ذکر ہی نہیں، بلکہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ بیوی عام طریق پر اس کے ساتھ تھی جیسے مرد عورت ہوتے ہیں۔ چنانچہ:

(1) سورہ بقرہ میں جہاں آدم اور اس کی بیوی کا ذکر آتا ہے وہاں آدم کی بیوی پیدا کرنے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ محض یہ حکم ہے

یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ

(البقرۃ: 36)

اَے آدم جا تُو اور تیری بیوی تم دونوں جنت میں رہو۔

یہ نہیں کہا کہ آدم اکیلا تھا اور اُس کی پسلی سے حوّا کو پیدا کیا گیا بلکہ آیت کا جو اسلوب بیان ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی پہلے سے موجود تھے۔ اُنہیں صرف یہ حکم دے دیا گیا کہ تم فلاں جگہ رہو۔

(2) سورۃ الاعراف میں بھی صرف یہ ذکر ہے کہ

یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ

(الاعراف:20)

(3) تیسری جگہ جہاں آدم کی بیوی کا ذکر ہے وہ سورۃ طٰہٰ ہے مگر اس میں بھی صرف یہ ذکر ہے کہ

یٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ

(طٰہٰ:118)۔

یہ ذکر نہیں کہ آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو بھی پیدا کیا ہو۔

ان تینوں جگہوں میں جہاں آدم کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بیوی کا ذکر محض ایک عام بات کے طور پر کیا گیا ہے حالانکہ اگر آدم اکیلا ہوتا اور حوّا کو اُس کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہوتا تو اس کی بیوی کا ذکر خاص اہمیت رکھتا تھا اور یہ بتایا جانا چاہیئے تھا کہ آدم کی ایک پسلی نکال کر اسے عورت بنا دیا گیا بیشک ایک حدیث میں ایسا ذکر آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے مگر اس کا مطلب میرے کسی مضمون میں آگے چل کر بیان ہوگا ہاں سورۃ نساء رکوع 1، سورۃ اعراف رکوع 24 سورۃ الزمر رکوع 1 میں ایک بیوی کی پیدائش کا ذکر ہے ایک جگہ لکھا ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور دو جگہ لکھا ہے وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور ان الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے مگر ان تینوں جگہ

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

(النساء :2)

کہ اے انسانو! اپنے اس ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا

ان الفاظ میں آدم اور اس کی بیوی کا کوئی ذکر ہی نہیں صرف خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے الفاظ آتے ہیں مگر ان کا مفہوم بھی جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا اور ہے، بہرحال آدم اور حوّا کا یہاں کوئی ذکر نہیں یہی حال سورۃ الاعراف اور سورۃ الزمر کی آیات کا ہے ان میں بھی خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے الفاظ ہیں۔ آدم کے الفاظ نہیں، مگر اُن تینوں آیات میں سے جو ہم معنی ہیں۔ سورۃ الاعراف کا حوالہ اس بات کو وضاحت سے ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نہ کہ آدم، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ھُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ

اِلَیۡہَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰہَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِیۡفًا فَمَرَّتۡ بِہٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّہُمَا لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ○ فَلَمَّاۤ اٰتٰہُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیۡمَاۤ اٰتٰہُمَا ۚ فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ○

(سورة الاعراف: 191,190)

فرماتا ہے۔ وہ خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کی بیوی کو پیدا کیا تا کہ اُس سے تعلق رکھ کر وہ اطمینان اور سکون حاصل کرے، جب اُس نفسِ واحد نے اپنی بیوی سے صحبت کی تو اُسے ہلکا سا حمل ہو گیا مگر جب اس کا پیٹ بھاری ہو گیا اور دونوں کو معلوم ہو گیا کہ حمل قرار پکڑ گیا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی الٰہی! اگر تو نے ہمیں تندرست اور خوبصورت بچہ عطا کیا تو ہم تیرے ہمیشہ شکر گزار رہیں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اچھا اور تندرست بچہ دے دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بُھول گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا بعض اور لوگوں کو شریک بنالیا اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور تر چلے گئے۔

اب بتاؤ کیا ان الفاظ میں آدم اور حوا کا ذکر ہے یا عام انسانوں کا۔ کیا آدم اور حوّا نے پہلے یہ دعا کی تھی کہ ہمیں ایک صالح لڑکا عطا فرمانا اور جب وہ پیدا ہو گیا تو انہوں نے مشرکانہ خیالات کا اظہار کیا اور وہ بعض ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے لگ گئے؟ انہوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا اور آدم جو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ پس صاف پتہ لگتا ہے کہ یہاں آدم کا ذکر نہیں بلکہ آدمی کا ذکر ہے اور انسانوں کے متعلق ایک قاعدہ کا ذکر ہے کسی خاص آدمی کا بھی ذکر نہیں اور چونکہ سب آیات کے الفاظ ایک سے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ سب جگہ ایک ہی معنے ہیں۔

نفسِ واحدہ سے پیدائش کی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ سے مراد صرف یہ ہے کہ ایک ایک انسان سے قبائل اور خاندان چلتے ہیں اور بیوی اسی میں سے ہونے کے معنے اسی کی جنس میں سے ہونے کے ہیں اور بتایا ہے کہ ایک ایک آدمی سے بعض دفعہ خاندان کے خاندان چلتے ہیں اگر ماں باپ مُشرک ہوں تو قبیلے کے قبیلے گندے ہو جاتے ہیں اور اگر وہ نیک ہوں تو نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندان میں نیکی چلتی جاتی ہے۔ پس ھُوَالَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ جَعَلَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اے مردو! جب تم شادی کرو تو احتیاط سے کام کیا کرو، اور جب میاں بیوی آپس میں ملیں تو اُس وقت بھی وہ احتیاط سے کام لیا کریں، اگر وہ خود مُشرک اور بدکار ہونگے تو نسلوں کی نسلیں شرک اور بدکاری میں گرفتار ہو جائیں گی اور اگر وہ خود موحّد اور نیکی و تقویٰ میں زندگی بسر کرنے والے ہونگے تو نسلوں کی نسلیں نیک اور پارسا بن جائیں گی۔

ان معنوں کے بعد اگر آدم پر بھی ان آیات کو چسپاں کیا جائے تو بھی یہی معنے ہونگے کہ آدم کی بیوی اسی کی جنس میں سے تھی۔ یعنی طینی طبیعت کی تھی ناری طبیعت کی نہ تھی اور ممکن ہے اس صورت میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ آدم کو حکم تھا کہ صرف مؤمنوں سے شادی کریں غیروں سے نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ آدم کے وقت میں اَور مرد و عورت بھی تھے اور آدم کی بیوی انہی میں سے تھی یعنی وہ آدم کی ہم مذہب تھی تو وہ سوال کہ آدم کی اولاد شادیاں کس طرح کرتی ہوگی آپ ہی آپ دُور ہو گیا۔ جب مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں تو شادیوں کی دقّت نہیں ہو سکتی تھی، ہاں اگر اس سے پہلے کا سوال ہو تو آدم سے پہلے بشر تو شریعت کے تابع ہی نہ تھے، نہ وہ شادی کے پابند تھے نہ کسی اور امر کے۔ کیونکہ وہ تو نظام سے آزاد تھے اور جب وہ نظام سے آزاد تھے تو ان کے متعلق کوئی بحث کرنی فضول ہے۔ بحث تو صرف اس شخص کے متعلق ہو سکتی ہے جو شریعت کا حامل ہو اور عقلِ مدنی اس میں پیدا ہو چکی ہو اور ایسا پہلا وجود ابو البشر آدم کا تھا اور ان کے بعد ان کے اتباع کا وجود تھا ان کیلئے اخلاق و شریعت کی پابندی لازمی تھی۔ ان سے پہلے انسان نیم حیوان تھا اور ہر اعتراض سے بالا اور ہر شریعت سے آزاد۔

عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا مفہوم

اب میں اُس حدیث کو لیتا ہوں جس میں یہ ذکر آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ حدیث کے اصل الفاظ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہیں یہ ہیں کہ خُلِقۡنَ مِنۡ ضِلَعٍ (بخاری کتاب النکاح باب الاوصاۃ بالنساء) یہ الفاظ نہیں ہیں کہ خُلِقَتۡ مِنۡ حَوَّاءَ مِنۡ ضِلَعٍ جس طرح قرآن کریم کی اُن آیات میں جن میں خَلَقَ مِنۡ ضِلَعٍ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ خُلِقَتۡ زَوۡجَۃُ اٰدَمَ مِنۡ ضِلَعٍ تب تو یہ کہا جا سکتا کہ حوّا جو آدم کی بیوی تھیں وہ پسلی سے پیدا ہوئیں مگر جب کسی حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ نہیں آتے بلکہ تمام عورتوں کے متعلق یہ

ذکرآتا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئیں تو محض حوّا کو پسلی سے پیدا شدہ قرار دینا باقی عورتوں کے متعلق تاویل سے کام لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ

اَلنِّسَاءُ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ

(مسند احمد بن حنبل جلد 2صفحہ 497المکتب الاسلامی بیروت1978)

کہ ساری عورتیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔

پس جس طرح قرآنی آیات میں تمام عورتوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی تمام عورتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ پسلی سے پیدا ہونے کے کیا معنے ہیں؟ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی عورت پسلی سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ جس طرح مرد پیدا ہوتے ہیں اسی طرح عورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس جب کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح پیدا ہوتی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ عورتیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، سو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بھی اسی محاورہ کے مطابق ہے جس کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے اور اس محاورہ سے صرف یہ مراد لی جاتی ہے کہ یہ امر فلاں شخص کی طبیعت میں داخل ہے پس خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ سے صرف یہ مراد ہے کہ عورت کو کسی قدر مرد سے رقابت ہوتی ہے اور وہ اس کے مخالف چلنے کی طبعًا خواہشمند ہوتی ہے، چنانچہ علمائے احادیث نے بھی یہ معنے کئے ہیں اور مجمع البحار جلد دوم میں جو لغتِ حدیث کی نہایت مشہور کتاب ہے: ضِلْعٍ کے نیچے لکھا ہے۔

خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ اِسْتِعَارَۃٌ لِلْمُعَوَّجِ اَیْ خُلِقْنَ خَلْقًا فِیْھَا الْاِعْوَجَاجُ۔۔۔خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ

(بخاری کتاب التفسیر باب یٰۤاَیُّھَاالنَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ)

ایک محاورہ ہے جو کجی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کی طبیعت میں ایک قسم کی کجی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ عورتوں میں بے ایمانی ہوتی ہے بلکہ یہ ہے کہ عورت کو خاوند کی بات سے کسی قدر ضرور رقابت ہوتی ہے۔ مرد کہے یوں کرنا چاہیئے تو وہ کہے گی یوں نہیں اسی طرح ہونا چاہیئے اور خاوند کی بات پر ضرور اعتراض کرے گی اور جب وہ کوئی بات مانے گی بھی تو تھوڑی سی بحث کرکے اور یہ اس کی ایک نازکی حالت ہوتی ہے اور اس میں وہ اپنی حکومت کا راز مستور پاتی ہے۔

(سیرِ روحانی، صفحہ 38-42)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

”میں اُسی خدا کے فضلوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ میرا نام دنیا میں ہمیشہ قائم رہے گا اور گو مَیں مرجاؤں گا مگر میرا نام کبھی نہیں مٹے گا۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے جو آسمان پر ہو چکا کہ وہ میرے نام اور میرے کام کو دنیا میں قائم رکھے گا۔ خدا نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ خواہ مخالف مجھے کتنی بھی گالیاں دیں مجھے کتنا بھی بُرا سمجھیں بہر حال دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کے بھی اختیار میں نہیں کہ وہ میرا نام اسلام کی تاریخ کے صفحات سے مٹا سکے۔“

(بحوالہ سوانح فضل عمرؓ، جلد سوم صفحہ 146، اقتباس از جلسہ سالانہ 1961)

حضرت مصلح موعودؓ سے وابستہ چند یادیں

لطف الرحمٰن محمود

اس مضمون کی ابتداء اس عُذر اور معذرت سے کرتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی صف میں شامل نہیں اور نہ ہی ہمارا مقام ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ جیسی عظیم المرتبت رُوحانی شخصیت کے بارے میں تاثرات قلمبند کرنے کی جرأت اور جسارت کر سکیں۔ ہؤا یہ ہے کہ بڑوں کے گزر جانے کے بعد اب چھوٹوں کو ہی بڑا سمجھا جانے لگا ہے۔ سچ یہ ہے کہ جو نسبت خاک کے ادنیٰ سے ذرّے کو آفتابِ عالمتاب سے ہو سکتی ہے، وہی ہماری قدر و قیمت کا حوالہ ہے۔

طفلِ ناداں سے طفلِ مکتب تک

یہ میری تو نہیں، میرے مرحوم والدین کی خوشگوار یاد ہو سکتی ہے۔ البتہ میں اسے اپنے اچھے مُقدّر اور خوش بختی کا نقطہء آغاز سمجھتا ہوں۔ میری ولادت 1938 میں ہوئی۔ اس وقت میں اپنے والدین کا پہلا بچہ اور اپنے مرحوم دادا کا پہلا پوتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے از راہِ شفقت، اس غلام ابن غلام کو ''لطف الرحمٰن'' نام عطا فرمایا۔ میرے والدین نے اس میں ''محمود'' کا اضافہ کر دیا۔ مجھے اس بارے میں اُن سے پوچھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ البتہ اس کا ایک یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے تخلّص تلاش کرنے کیلئے جدّ و جہد نہیں کرنی پڑی۔ حضرت اقدسؓ نے میرے سب بھائیوں اور بہنوں کو از راہِ کرم نام مرحمت فرمائے جو اُن سب کیلئے برکت اور رحمت اور یُمن و سعادت کا خزینہ ثابت ہوئے۔

1944 میں تعلیم الاسلام کالج کے احیاء پر میرے ابا جان (پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب) زندگی وقف کر کے قادیان حاضر ہو گئے۔ اس طرح 1947 میں تقسیم ملک تک مجھے بھی دو اڑھائی سال قادیان دارالامان میں رہنے اور وہاں پرائمری سکول میں پڑھنے کا موقع مل گیا۔ اُس دَور میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی امامت میں نماز ادا کرنا یاد ہے۔ غالبًا عید کا موقعہ تھا۔ پھر مجھے اُس دَور میں بچپن کی ایک اور بات بھی یاد ہے۔ ایک بار دیکھا کہ بہت سے لوگ کالج کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ وہاں کیا ہوا ہے، کالج جا پہنچا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جماعت کی ''مجلس مشاورت'' منعقد ہو رہی ہے۔ ''مجلس مشاورت'' کی اصطلاح میں نے اُس کم عمری میں سُنی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میرے والد صاحب اکثر مغرب کی نماز کیلئے مسجد مبارک تشریف لے جاتے اور میں محلّہ کی مسجد فضل میں جو گھر کے قریب تھی نماز کیلئے جاتا۔ تقریباً 60 سال بعد، جب مجھے قادیان جانے کا موقع ملا، تو وقت نکال کر، پرانی یادوں کی خوشبو کی تلاش میں، مسجد فضل اور تعلیم الاسلام کالج بھی گیا۔۔۔!

قیامِ پاکستان کے بعد، ہمیں قادیان سے بھیرہ منتقل ہونا پڑا اور ابا جان کو کالج میں تدریس کیلئے لاہور رُکنا پڑا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ بھیرہ

حضورؓ 26 نومبر 1950 کو بذریعہ کار بھیرہ تشریف لائے۔ حضورؓ کی تشریف آوری سے چھوٹے بڑے سب خوش تھے۔ احمدیہ محلّہ میں استقبالیہ بینرز لگائے گئے اور حفاظتی انتظامات بھی کئے گئے۔ جماعت کے مخالفین کی طرف سے ایک اشتہار شہر بھر میں دیواروں پر چسپاں کیا گیا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ سارے شہر میں حضورؓ کی تشریف آوری کا چرچا ہو گیا۔ اور ہزاروں لوگ حضورؓ کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے کوچہ و بازار میں جمع ہو گئے۔ بھیرہ شہر کے آٹھ تاریخی دروازے ہیں۔ مسجد نور محلّہ کے بیرونی دروازے پر حضور کا پُر جوش استقبال کیا گیا۔ حضورؓ نے وہاں سے پیدل چلنا شروع کیا۔ سڑک کے دونوں طرف، نیز دکانوں کے تھڑوں اور مکانوں کی چھتوں پر، ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے۔

حضورؓ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا تاریخی مطب اَور ہسپتال دیکھنے سے پہلے ''مسجد

نور'' تشریف لے گئے۔ اس جمِ غفیر میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ موجودہ مسجد نور حضرت خلیفة المسیح الاولؓ کے آبائی مکان میں بنی ہوئی ہے۔ حضور کی خاندانی مسجد اس مکان سے ملحق ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد اور غیر از جماعت دوست' اس مسجد میں' باری باری' آگے پیچھے اپنے اپنے آئمہ کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے۔ مگر 1912 میں دونوں گروہوں کے اختلاف نے جھگڑے کی شکل اختیار کرلی۔ اس پر حضرت خلیفة المسیح الاولؓ نے اپنی خاندانی مسجد غیر از جماعت دوستوں کو دے دی اور اپنے آبائی مکان کو مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ اُس وقت سے یہ نئی مسجد جماعت کے زیرِ استعمال ہے۔ اس مسجد میں وہ کمرہ بھی محفوظ ہے' جس میں حضرت مولانا نورالدین صاحب 1841 میں پیدا ہوئے۔ حضورؓ نے مسجد نور اور اُس میں واقع یہ کمرہ بھی دیکھا اور مسجد میں نوافل ادا فرمائے اور اُس تاریخی کمرے کے باہر' سنگِ مرمر کا یادگاری کتبہ دستِ مبارک سے نصب فرمایا۔

اس یادگار کمرے سے مجھے ایک ''یادگار تنور'' بھی یاد آ گیا ہے اس تنور سے ایک ایسے دلچسپ واقعے کی یاد وابستہ ہے جس سے حضرت مصلح موعودؓ کی سیرت کے ایک پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب حجازِ مقدّس سے واپسی کے بعد ''اہلِ حدیث'' اور ''وہابی'' مشہور ہونے کے بعد مخالفت کا ہدف بن گئے۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کے دامن سے وابستگی سے اس میں مزید شدّت اور حِدّت پیدا ہوگئی۔ جس نے سوشل بائیکاٹ کی شکل اختیار کر لی۔ شہر کے نانبائیوں پر بھی دباؤ ڈالا گیا کہ حضورؓ کے گھر کیلئے روٹی نہ بنائی جائے۔ باقی نانبائی تو ڈر گئے مگر کرم دین نامی ایک نان پز نے اس بائیکاٹ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کی بھی مخالفت ہوئی مگر وہ ڈٹ گیا۔ اور یہ خدمت سرانجام دیتا رہا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے یہ واقعہ سن کر اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اُس نان پز کی اولاد میں سے کوئی شخص حضورؓ کیلئے اپنے تنور پر روٹی بنا کر کھلائے۔ چنانچہ کرم دین کے بیٹے غلام احمد نے اپنے تنور پر روٹیاں تیار کیں۔ نئے دسترخوان میں لپیٹ کر حضورؓ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضورؓ نے از راہِ قدردانی اس میں سے ایک روٹی تناول فرمائی اور باقی بطور تبرّک تقسیم کی گئیں۔ اس واقعہ سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ حضورؓ نے اپنے اُستاد، محسن اور حضرت اقدسؑ کے عاشقِ صادق کی تکلیف کے ایک مشکل دَور کی یاد میں' اظہارِ تعلق کیلئے اُسی تنور سے روٹی پکوا کر کھائی۔ اس واقعہ کا سوانحِ فضلِ عمر جلد پنجم صفحہ 290 پر بھی ذکر موجود ہے۔ مسجد نور اور حضرت خلیفة المسیح الاولؓ کے ''مطب'' کا مقام دیکھنے کے بعد حضورؓ شہر بھیرہ کے دوسرے کنارے پر' واقع محلّہ احمدیہ کی مسجد فضل تشریف لے گئے۔ وہاں اِردگرد کی جماعتوں کے احباب بھی آئے ہوئے تھے۔ حضورؓ نے وہاں نماز ظہر وعصر کی امامت فرمائی۔ مسجد میں تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ باہر گلی میں دُور دُور تک نمازیوں کی صفیں موجود تھیں۔ بعض غیر از جماعت دوستوں نے بھی از راہِ عقیدت حضورؓ کی امامت میں نمازیں ادا کیں۔ مسجد فضل 1921 میں دوبارہ تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مسجد بھی' مسجد نور کی طرح حضرت اقدسؑ کے کئی صحابہ کرام کی سجدہ گاہ رہی ہے۔ حضورؓ نے اس مسجد میں بھی اپنے دستِ مبارک سے یادگار کتبہ نصب فرمایا۔

حضورؓ نے اس موقع پر اہلِ بھیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خیال افروز تقریر کی۔ مسجد کا منبر صحن مسجد میں رکھا گیا۔ حضور کی سفید دستار، سیاہ خوبصورت ڈاڑھی، کوٹ اور نیلے رنگ کی جرابیں مجھے اب بھی یاد ہیں۔ حضور نے منبر پر بیٹھ کر یہ تقریر کی۔ اس تقریر کے درج ذیل دو نکات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

بھیرہ کے شہریوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضورؓ نے کہا کہ بھیرہ اُن کیلئے اینٹ پتھر اور چُونے گارے کا بنا ہوا ایک شہر ہے مگر حضورؓ کی نظر میں یہ اُس عظیم انسان کا مولد و مسکن ہے۔ جس نے اُنہیں قرآن مجید اور بخاری شریف کا ترجمہ پڑھایا ہے۔ بھیرہ والوں کو بھیرہ اس لئے عزیز ہے کہ اُنہوں نے بھیرہ کی ماؤں کا دودھ پیا ہے مگر بھیرہ میرے لئے اس لئے باعثِ کشش و محبت ہے کہ میں نے حضرت مولانا نورالدین صاحب سے قرآن مجید کے معارف کا دُودھ پیا ہے۔''

(روزنامه الفضل 29نومبر1950بحواله سوانح فضل عمرؓ جلد5'صفحه 290-291)

مخالف علماء کے شوروشر پر تبصرہ کرتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ بدقسمتی سے ہمیں اسلام، قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں حالانکہ ہم اسلام اور قرآن کے خادم اور حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے وفادار عاشق اور غلام ہیں۔ حضورؓ نے جماعتِ احمدیہ کے افراد کو نصیحت فرمائی کہ وہ پیار اور محبت کے ساتھ ان غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے مخالفین کے دل جیتنے کی کوشش کریں۔

(تفصیل کیلئے ملاحظه فرمائیے بھیرہ کی تاریخ احمدیت مؤلّفه فضل الرحمٰن صاحب بسملؔ، صفحه 36,35ایڈیشن1972)

حضورؓ نے جماعت احمدیہ کی طرف سے دی جانے والی ضیافت کو برکت بخشی۔ اُسی دن بوقتِ عصر شرفائے شہر نے دعوتِ چائے کا اہتمام کیا۔ شیخ فضل الحق صاحب ممبر اسمبلی نے استقبالیہ پیش کیا جس کے جواب میں حضورؓ نے مختصر خطاب فرمایا۔ اس تقریب کے بعد حضور بذریعہ کار ربوہ تشریف لے گئے۔

بھیرہ میں حضور کے ورود مسعود کی حسین یاد لمبے عرصے تک موضوعِ سخن رہی اور ازدیادِ ایمان کا باعث بھی۔ ہمارے استاد، میاں فضل الرحمٰن بسمل صاحب نے حضورؓ کی تشریف آوری کے حوالے سے چند اشعار کہے۔ درج ذیل شعر محبّانِ خلافت کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے ؎

بقولِ حضرتِ غالبؔ یہاں یہ عالَم ہے
کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

سیرِ رُوحانی کی معرکۃ الآراء تقریر

جن لوگوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی تقریریں سُنی ہیں، ان سے ''تقریر کی لذّت'' پوچھیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بعض تقریروں میں وہ شوکتِ الفاظ، روانی، نکتہ آفرینی، تاثیر کا سحر اور چند دیگر عناصر ترکیبی کسی حد تک پائے جاتے تھے۔ جن اہلِ قلم نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو ''سلطانِ خطابت'' کہہ کر یاد کیا ہے، کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ خطبات جمعہ کے علاوہ دیگر تقاریب اور خاص مواقع پر حضور نے سینکڑوں تقریریں کیں۔ جلسہ سالانہ کے سٹیج سے کی جانے والی تقاریر ان کے علاوہ ہیں۔ حضورؓ کا لمبے عرصے تک معمول رہا کہ جلسہ سالانہ پر تینوں دن خطاب فرماتے۔ جلسہ کا تیسرا یعنی آخری دن کسی علمی موضوع پر تقریر کیلئے مخصوص کیا گیا۔ ضمناً عرض ہے کہ 1914 سے 1958 تک حضور علمی تقاریر ارشاد فرماتے رہے۔ ذکرِ الٰہی، حقیقۃ الرؤیا، عرفانِ الٰہی، تقدیرِ الٰہی، ملائکۃ اللہ، نجات، بہائی ازم کی تاریخ و عقائد، منہاج الطالبین، قرآن کریم کی سابقہ الہامی کتب پر فضیلت، ترتیب قرآن اور استعارات کی حقیقت، انقلاب حقیقی، نظامِ نَو اور اسوۂ حسنہ ان تقاریر کی چند مثالیں ہیں۔ ایسی تقاریر کی تعداد 46 بنتی ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ تقاریر کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں اور اب ''انوارالعلوم'' کے سیریز میں پیش کی جارہی ہیں۔ حضورؓ کی عارفانہ تقاریر کا ایک اور سلسلہ بھی ہے جو ''سَیرِ رُوحانی'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ 12 تقاریر ہیں جن میں حضورؓ نے بادشاہوں کی تعمیر کردہ عمارتوں، قلعوں، نہروں، باغات اور جاری کئے ہوئے نظام اور طور طریقوں کو موضوعِ سخن بنا کر اسلامی تعلیمات سے ایمان افروز مقابلہ و موازنہ کی صورت میں پیش فرمایا ہے۔

1953 میں عاجز کو بھیرہ کی جماعت کے ساتھ جلسہ سالانہ پر حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ اس وقت خاکسار ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ حضورؓ نے تینوں دن خطاب فرمایا۔ تیسرے دن حضورؓ نے ''نوبت خانوں'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ سیرِ روحانی کی تقریروں میں اُس کا ساتواں نمبر ہے۔ اس کے بعد سیر روحانی کے موضوعات پر چار اور تقاریر بھی سننے کی توفیق ملی مگر یہ تقریر دو وجوہ کی بنا پر گویا آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔ (اوّل) حضورؓ نے اس تقریر میں خاص لحن اور سوز سے اذان کے کلمات دُہرائے۔ وہ بلالی آہنگ اور آواز کا جادو میرے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا۔ (دوم) اس تقریر کے آخر میں حضورؓ نے افرادِ جماعت کو ''آسمانی موسیقارو'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔ اور ان الفاظ کی اس طرح تکرار کی کہ جلسہ گاہ میں موجود ہزاروں افراد پر وجد طاری ہو گیا:

''اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دُنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر دل کے خون اس قرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھرو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اسی غرض کیلئے مَیں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کیلئے مَیں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمدؐ رسول اللہ کا تخت آج مسیحؑ نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیحؑ سے چھین کر پھر وہ تخت محمدؐ رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سُنو اور میری بات کے پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں، مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو! خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دُنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔''

(سیرِ روحانی صفحہ 620,619)

مسجد مبارک اور قصرِ خلافت میں خُدّام کی ڈیوٹی

جماعت کی ذیلی تنظیموں کا نظام، حضرت مصلح موعودؓ کی غیر معمولی ذہانت اور عظیم دُور اندیش لیڈر کی قائدانہ صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ انصار اللہ کا مقام جماعت کے دماغ اور اعصاب کا ہے۔ لجنہ اماء اللہ، الٰہی سلسلہ کی نئی پود کی دیکھ بھال کرنے والی نرسری ہے۔ خدام الاحمدیہ جماعت کی ریڑھ کی ہڈّی، عضلات اور خدمت خلق اور محنت کے دوسرے کاموں کو سرانجام دینے کیلئے مضبوط اور نہ تھکنے والے بازو ہیں۔ تربیت اور احساسِ ذمہ داری اجاگر کرنے کیلئے نوجوانوں کو کئی مواقع فراہم کئے جاتے تھے۔ ایک ایسی ہی خدمت مسجد مبارک اور قصرِ خلافت پر خُدّام کی ڈیوٹی کا نظام تھا۔

جمعہ کے دن یا عیدین کے موقعہ پر جب حضورؓ خطبات کیلئے تشریف لاتے تو مسجد مبارک کی کھڑکیوں، ستونوں، صحن مسجد کی طرف کھلنے والے محراب نما دروازوں میں خدام ڈیوٹی کیلئے ایستادہ ہوتے حضورؓ کا حفاظتی عملہ، مسجد کی محراب کے ارد گرد ڈیوٹی پر مستعد ہوتا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے بھی حضرت مصلح موعودؓ کے خطبات جمعہ کے موقع پر مسجد مبارک میں کئی بار یہ ڈیوٹی دینے کی توفیق ملی۔

اسی طرح قصرِ خلافت کے ارد گرد وسیع میدان میں چار دیواری کے اندر، رات کی ڈیوٹی کیلئے ربوہ کے محلّہ جات سے خدام کو طلب کیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایّام طالب علمی میں خاکسار اور عطاء المجیب راشد صاحب (حال امام مسجد فضل لندن رمشنری انچارج یُو۔کے) کو رات کے وقت یہ ڈیوٹی دینے کی توفیق ملی۔ صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی، افسر حفاظت نے ہمیں ہدایات دیں۔ میں نے ''چُھپاؤ لگانے'' کا محاورہ پہلی مرتبہ اُن سے سنا۔ یعنی اپنے آپ کو اچھی طرح چُھپا کر ماحول پر نظر رکھنا۔ قصرِ خلافت کے ارد گرد پتھروں سے بنی ہوئی ایک دیوار ہوتی تھی جو اب مرمت کے بعد پہلے سے زیادہ مضبوط ہے۔ اُس وقت اندرونی میدان میں اِکّا دُکّا درخت اور چند جھاڑیاں تھیں۔ ہم نے اسی میدان میں ستاروں کی چھاؤں میں ''چُھپاؤ'' لگایا۔ دہلوی صاحب کی تاکید سے بڑھ کر۔

خُدّام کی اس قسم کی ڈیوٹی مشاورت کے موقع پر بھی لگائی جاتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کئی بار مجلس مشاورت کی کارروائی میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ جب تک صحت نے اجازت دی حضورؓ تینوں دن شامل ہوتے رہے۔ مجلس مشاورت تعلیم الاسلام کالج کے ہال میں منعقد ہوتی رہی۔ اس عاجز کو بھی وہاں مجلس مشاورت کی نشستوں میں ڈیوٹی دینے کی توفیق ملی۔ یہ بھی حضورؓ ہی کا فیض تھا۔ اور اس طرح حضورؓ کے ارشادات اور ریمارکس سُننے کے مواقع ملے اور جماعت کے تبلیغی، تربیتی اور مالی مسائل اور وسائل کے حوالے سے کمیٹیوں کے ارکان کی گفتگو اور رپورٹس فکری نشو ونما کا باعث بنتی رہیں۔

ایک ممتاز صحابی کی نمازِ جنازہ

حضورؓ بشرطِ صحت، وفات پا جانے والے سلسلہ کے ممتاز خُدّام اور صحابہ کرامؓ کی نمازِ جنازہ کی خود امامت فرماتے۔ مجھے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا منظر نہیں بھولتا۔ مفتی صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مقرّب صحابی تھے اور قادیان ہجرت کرنے کے جلد بعد انہوں نے حضرت اقدسؑ کی ڈاک کا شعبہ سنبھال لیا۔ بعد میں اخبار ''البدر'' کی ادارت کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ قادیان میں جماعت کے سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔ حضرت مفتی صاحب کو عبرانی سے بھی واقفیت تھی۔ کشتیٔ نوح کے صفحہ 78 پر حضرت مسیح موعودؑ نے قبرِ مسیح کا ذکر کرتے ہوئے ایک اسرائیلی عالم کی شہادت درج کی ہے۔ اس صفحہ پر جو عبرانی عبارت دی گئی ہے وہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی املا کردہ ہے۔ (روحانی خزائن جلد19 صفحہ78 ایڈیشن 1984)۔ آج سے تقریباً 90 سال قبل برطانیہ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کا شرف بھی حاصل ہوا۔ صدر انجمن احمدیہ کے ناظر کے طور پر بھی خدمات کی توفیق ملی۔ ''ذکرِ حبیبؑ'' کے موضوع پر جلسہ سالانہ میں تقریریں کرنے کے مواقع بھی ملے۔ حضرت مفتی صاحب، صاحبِ کشف و الہام بزرگ تھے۔ 13 جنوری 1957 میں وفات پائی۔ مسجد مبارک کے سامنے حضورؓ نے حضرت مفتی صاحب کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور نعش کو کندھا دیا۔ اور بہشتی مقبرہ تک ساتھ تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب بہشتی مقبرہ کے قطعہء خاص میں آسودۂ لحد ہیں۔ حضورؓ کو صحابہ کرام سے دلی محبت تھی۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ اکرام اُن کے اخلاص و ایمان اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے محبت وفدائیت کی قدردانی کے طور پر تھا۔

مجلس خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں حضور رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری

مجھے ربوہ میں خدام کے سالانہ اجتماعات میں حضورؓ کی تشریف آوری اور خطاب

کے مناظر بھی یاد ہیں۔ ایک ایسی ہی نشست کا منظر گویا اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ غالباً 1956 کی بات ہے۔ تشریف آوری پر پنڈال میں موجود خدام نے کھڑے ہوکر پُر جوش نعروں سے حضورؓ کا استقبال کیا۔ حضورؓ کے صدر نشست پر تشریف فرما ہونے کے بعد کارروائی کا آغاز ہوا۔ اپنے خطاب سے قبل حضورؓ نے خُدام سے دو سوال پوچھے:

''جو خدام نماز تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں کھڑے ہوجائیں'' یہ پہلے سوال کا خلاصہ تھا۔ اس سوال کے جواب میں وہاں موجود خدام میں سے تقریباً پچاس یا ساٹھ فیصد خدام کھڑے ہوگئے۔ حضورؓ کے اشارہ پر سب خدام بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضورؓ نے حکم دیا کہ وہ خدام کھڑے ہوجائیں جنہیں سچی خوابیں دیکھنے کا تجربہ ہے۔ اس سوال کے جواب میں بھی خدام کھڑے ہوئے مگر اس باران کی تعداد کسی قدر کم تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ تیس چالیس فیصد کے لگ بھگ ہوگی۔ حضورؓ نے اس سروے پر اطمینان کا اظہار فرمایا اور اس کے بعد خدام کو نصائح سے نوازا۔

ان سوالات سے حضرت مصلح موعودؓ کی سیرت طیبہ کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ حضورؓ کے دل میں تڑپ تھی کہ احمدی نوجوان تعلق باللہ کے اعلیٰ معیار کے حامل ہوں۔ حضورؓ ان سوالات کے ذریعے یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ '' در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری''۔ قرآن کریم میں تہجد کی ادائیگی کو مقامِ محمود کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے (سورۃ بنی اسرائیل آیت 80)۔ اور نوافل کی بدولت اللہ تعالیٰ کے مومن کے ہاتھ پاؤں بن جانے کی تمثیل حدیث شریف میں موجود ہے۔ یعنی نوافل پر دوام کے نتیجے میں الٰہی برکات حتّٰی کہ معجزات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ حضورؓ نوجوانانِ احمدیت کو، اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی روحانیت کا مہبط دیکھنے کے مُتمنّی تھے۔ درج ذیل الفاظ حضورؓ کی اسی تڑپ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نوجوانان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم نے ابدال کا ذکر سُنا ہوگا۔ ابدال درحقیقت وہی ہوتے ہیں جو جوانی میں اپنے اندر تغیّر پیدا کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کر لیتے ہیں کہ بُڈھے بھی آ کر کہتے ہیں حضور ہمارے لئے دعا کیجئے۔ احمدیوں کے بُڈھے تو اقطاب ہونے چاہئیں اور احمدیوں کے جوان ابدال ہونے چاہئیں۔ وہ خوب دعائیں مانگیں اور اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کریں کہ وہ اپنے فضل سے اُن سے بولنے لگ جائے اور وہ جوانی میں صاحبِ کشف و کرامات ہوجائیں۔''

(سوانح فضل عمرؓ جلد سوم۔ صفحہ 23,22
ناشر فضل عمر فاؤنڈیشن، ایڈیشن 2006)

خُدا کرے حضورؓ کی یہ تمنا ہمیشہ حقیقت کا رُوپ دھار کر جماعت کے شاملِ حال رہے اور صاحب رویا و کشوف بلکہ صاحبِ الہام ہمیشہ جماعت میں نسل در نسل موجود رہیں، آمین۔

بعض اور تقاریر اور خطبات

1955 میں خاکسار کا بھیرہ سے بغرضِ تعلیم ربوہ منتقل ہونا، بہت بڑی نعمت اور برکت ثابت ہوا۔ دین کی جو معمولی سی شُد بُد ہے۔ اُسی سرزمین اور ماحول کا فیض ہے۔ حضورؓ کے خطبات، تقاریر۔ نصائح اور سب سے بڑھ کر دعاؤں کو روحانی نعمتوں کی گھنگھور گھٹا کہا جا سکتا ہے۔ حضور کی بہت سی تقاریر اور خطبات، اخبارات و جرائد میں شائع ہوچکے ہیں اور اقتباسات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بعض اب کتابی شکل میں موجود ہیں۔ اُنہیں پڑھ کر قلب و ذہن میں یادوں کے چراغ ازسرِ نَو روشن ہوجاتے ہیں۔ سیرِ روحانی کی چار مزید تقاریر اُسی دَور میں سُنیں جو روح کی بالیدگی کا باعث بنیں۔ حضورؓ 1960 تک جلسہ سالانہ میں تشریف لا کر خطاب فرماتے رہے۔ 1961 میں خود تشریف نہ لا سکے مگر حضورؓ کی املا کروائی ہوئی افتتاحی اور اختتامی تقریر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے پڑھ کر سنائی۔
حضورؓ نے 1956 کے جلسہ سالانہ کے موقع پر خلافت کے موضوع پر تقاریر کیں۔ اور آئندہ خلافت کے لئے مجلسِ انتخاب کے خدّ وخال پیش فرمائے۔ 1957 میں ان ہدایات کی روشنی میں، مجلس شوریٰ نے مجلسِ انتخاب کا خاکہ ریزولیوشن کی شکل میں مرتب کیا جسے حضورؓ نے منظور فرما لیا۔ اُس سال، '' آئندہ خلافت'' اور ''مجلسِ انتخاب'' وغیرہ کی اصطلاحات سُن کر دل یہ محسوس کر کے مغموم اور افسردہ ہوگیا کہ حضورؓ کی مفارقت کا وقت بھی مُقدّر رہے۔
1961 کے جلسہ سالانہ میں حضورؓ کی جو تقریر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے پڑھ کر سنائی، اس میں حضور نے یہ بشارت بھی دی جو دلی سکینت کا باعث بنی:
''میں اُسی خدا کے فضلوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ میرا نام دنیا میں ہمیشہ

قائم رہے گا اور گو مَیں مر جاؤں گا مگر میرا نام کبھی نہیں مٹے گا۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے جو آسمان پر ہو چکا کہ وہ میرے نام اور میرے کام کو دنیا میں قائم رکھے گا۔۔۔خدا نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ خواہ مخالف مجھے کتنی بھی گالیاں دیں مجھے کتنا بھی بُرا سمجھیں بہر حال دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کے بھی اختیار میں نہیں کہ وہ میرا نام اسلام کی تاریخ کے صفحات سے مٹا سکے۔''

(بحوالہ سوانح فضل عمرؓ، جلد سوم صفحہ 146)

جلسہ سالانہ کی تقاریر کے علاوہ خطباتِ جمعہ بھی علمی معارف، اصلاح نفس کیلئے نصائح اور دیگر نکات پر مشتمل ہوتے۔ایک خطبہ میں حضورؓ نے جماعت احمدیہ کی مجلسِ شوریٰ کے حوالے سے کہا کہ ایک وقت آئے گا جب مجلس شوریٰ کے ارکان کی عزت و وجاہت اور مقام و مرتبہ دنیا کی پارلیمنٹوں کے اراکین سے بلند تر سمجھا اور مانا جائے گا۔

حضورؓ از راہِ شفقت، خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع میں بھی تشریف لا کر خطاب فرمایا کرتے۔ایک اجتماع کا ایک اور حوالے سے ذکر کر چکا ہوں بعض اور اجتماعات میں حضورؓ کی شمولیت کے مناظر اور واقعات یاد ہیں۔ان خطابات میں سے بعض نکات، جدّت اور عارفانہ عظمت کی وجہ سے قلب و ذہن پر مرتسم ہو گئے۔صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔ خدام الاحمدیہ کے اجتماع منعقدہ 1957 میں حضورؓ نے یورپ میں تعمیرِ مساجد کی اہمیت واضح کرتے ہوئے پُر جوش انداز میں کہا:

''تم ایک ایسے آدمی کے ساتھ چل رہے ہو جسے خُدا نے ساری دُنیا میں مسجدیں بنانے کیلئے مقرر کیا ہے۔''

اسی خطاب میں حضورؓ نے یہ بھی فرمایا کہ پہلے سلطنتِ برطانیہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اُس پر سورج غروب نہیں ہوتا۔اب جماعت شرق و غرب میں اس طرح پھیل رہی ہے کہ اب جماعت احمدیہ پر سورج غروب نہیں ہوتا۔اس مرحلہ پر حضورؓ نے ایک اور نادر نکتہ بھی پیش فرمایا:

''ہم یہی نہیں چاہتے کہ جماعت احمدیہ پر سورج غروب نہ ہو بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اذان پر بھی سورج غروب نہ ہو۔دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسجدیں قائم ہوتی چلی جائیں اور ان سے اذان کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور دنیا کے جس حصہ پر بھی سورج طلوع ہو وہ یہی دیکھے کہ خدائے واحد کا نام بلند ہو رہا ہے۔''

(مشعلِ راہ صفحہ797,796ناشر مجلس خدام الاحمدیہ قادیان، ایڈیشن 2006)

دو قومی عمارات کا سنگِ بنیاد

سب جانتے ہیں کہ ربوہ کا بے آب و گیاہ اور بنجر صحرا، حضورؓ کی دعاؤں اور کوششوں سے ایک جیتے جاگتے اور پھلتے پھولتے مرکز اسلام میں ڈھل گیا۔حضرت مصلح موعودؓ کی 1950 کی ایک نظم کا یہ شعر خدمتِ اسلام کی رُوح سے سرشار اس شہر پر درحقیقت چسپاں ہوتا ہے

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعاگو
کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں

حضورؓ نے ربوہ میں مسجد مبارک، صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر کی عمارات کی بنیادی اینٹیں دستِ مبارک سے رکھیں اور پھر ان عمارتوں کے افتتاح کئے۔میں یہاں دو اُور قومی عمارتوں کے سنگِ بنیاد کی تقریب کا چشم دید حال بیان کرنا چاہتا ہوں۔حضرت مصلح موعودؓ نے 20 فروری 1956 کو فضل عمر ہسپتال اور دفاتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی بنیاد رکھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضورؓ نے اس دن شُتری رنگ کا لمبا چُغہ پہنا ہوا تھا جو پاؤں تک پہنچتا تھا۔تقریب میں متعلقہ شعبہ کے افسران اور عہدیداران کے علاوہ صحابہ کرام اور بزرگان جماعت بھی موجود تھے۔حضورؓ نے سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد دونوں مقامات پر لمبی دُعا کی جس میں تمام حاضرین شامل ہوئے۔دفاتر انصار اللہ کی تقریب کے معًا بعد، ایک اور نظارے کی یاد ابھی تک محو نہیں ہو پائی۔اس واقعہ سے اُس محبت پر روشنی پڑتی ہے جو حضورؓ کو حضرت اقدسؑ کے صحابہ سے تھی۔ایک بوڑھے دیہاتی صحابی بھی اس تقریب میں حضورؓ کے قریب موجود تھے۔اُنہوں نے چادر یا لوئی اوڑھ رکھی تھی۔اور حضورؓ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا چاہا۔موصوف نے اپنی چادر کے پلّو میں کچھ رقم باندھ رکھی تھی۔اس زمانے میں روپے کے بڑے بڑے سکّے رائج تھے۔گرہ کھولنے کی جدّ و جہد میں کچھ دیر لگی۔لیکن ہمارا محبوب خلیفہ جس کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی تھا، اس صحابی کی دلداری کیلئے محبت کی مجسم تصویر بنے، ایستادہ رہا۔اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس رفیق کی نذر قبول فرمائی۔ایک دو روپے ہوں گے۔یہ رقم کے لین دین کی بات نہیں۔نہ ہی یہ کسی رسم کی ادائیگی تھی۔یہ معاملات حُسن و عشق کا منظر تھا۔ایک

طرف اظہارِ تعلق کا سادہ اظہار' دوسری طرف مروّت اور دلداری کی جھلک ! کم ظرف مادی دُنیا ایسی اداؤں کو سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہی ہے۔

اب میں اس ذیلی بیان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی میں ان عمارات کی تعمیر مکمل ہوئی۔ ان دونوں عمارات میں ایک بات مشترک ہے۔ دونوں عمارتوں کی بار بار توسیع ہوئی ہے۔ اصل عمارات ان کا ایک معمولی سا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔ فضل عمر ہسپتال میں کئی وِنگ بن چکے ہیں۔ اسی طرح انصاراللہ کے دفاتر کے ساتھ ہال اور دوسری عمارات بن چکی ہیں۔ سنگ بنیاد کی اس تقریب کے وقت انصاراللہ کے مجوّزہ دفاتر سے ملحق ایک میدان تھا جہاں انصاراللہ کے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے رہے۔ اُن دنوں میں خُدام بھی انصار بزرگوں کے پروگراموں سے استفادہ کے لئے زائرین کے طور پر بکثرت شامل ہوا کرتے تھے۔ اس عاجز کو بھی ان مجالس میں بہت سے صحابہ کرامؓ کو دیکھنے اور سننے کا شرف حاصل ہوا۔ ذکرِ الٰہی کی ان پاکیزہ مجالس کو یقیناً فرشتوں نے اپنے گھیرے میں لے کر حاضرینِ محفل پر' دعاؤں کی بارش کی ہوگی۔ شاید ابرِ رحمت سے چند قطرے ہم پر بھی پڑے ہوں گے کہ اب تک بقیدِ حیات ہیں اور حضرت مصلح موعودؓ کے الفاظ میں ''ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں''!

قصرِ خلافت کا ایک ڈیکوریشن پیس

حضرت سیّدہ اُمِّ متین صاحبہ کے برادرِ اصغر میر سیّد امین احمد میرے کالج فیلو اور دوست تھے۔ ایک دو بار اُنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تبرک بھی کھلایا۔ سیّد امین احمد' زندہ دل، دوست پرور اور غیر معمولی طور پر ذہین تھے۔ بی ایس سی کے امتحان میں فزکس کے مضمون میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہے۔ ایک مرتبہ سیّد امین احمد مجھے اپنے ساتھ قصرِ خلافت لے گئے۔ غالباً وہ کمرہ حضرت سیّدہ موصوفہ کا ڈرائنگ روم تھا یا ایک طائرانہ نظر ڈال کر میں یہی سمجھا۔ ادب واحترام کی وجہ سے وہاں بیٹھنے سے جھجکا مگر سیّد صاحب نے وہیں بیٹھنے پر اصرار کیا۔ وہاں ایک ''ڈیکوریشن پیس'' پر نظر پڑی۔ کسی احمدی آرٹسٹ نے یہ تحفہ حضورؓ کی خدمت میں پیش کیا ہوگا یا ممکن ہے کہ حضرت سیّدہ موصوفہ کی نذر کیا ہو۔ دو چھوٹے چھوٹے خوبصورت چمکیلے خنجر تھے جو پاکستان آرمی کے Insignia کی طرح ایک دوسرے کو کراس کررہے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو ایک پر ''تفسیر صغیر'' کے الفاظ کندہ تھے اور دوسرے پر ''وقفِ جدید'' ۔ اُن کے ساتھ ہی 1957 اور 1958 کا سن بھی کُھدا ہوا تھا۔

10 مارچ 1954 کو ایک شقی القلب نے حضورؓ پر مسجد مبارک پر نماز کے بعد قاتلانہ حملہ کیا۔ اس حملے کے بعد حضورؓ پر اعصابی بیماری کا حملہ ہوا اور علاج کیلئے یورپ تشریف لے گئے۔ ان اثرات سے صحت یاب ہوکر حضور کو ان دو عظیم الشان کاموں کی توفیق ملی۔ تفسیر صغیر قرآن مجید کا تفسیری ترجمہ ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1957 میں شائع ہوا۔ اب تک اس کے 15 یا اس سے زیادہ ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ ''وقفِ جدید'' حضرت مصلح موعودؓ کی آخری مالی تحریک ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے کام میں وسعت اور اثر ونفوذ میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اسے ایک فعال عالمگیر مالی تحریک بنا دیا۔ خنجر عرب' ایرانی ثقافت اور مُغل کلچر میں قوت وشوکت' جاہ وجلال اور تسخیر کی علامت ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے آخری دَور کی دو یادگاریں تفسیر صغیر اور وقفِ جدید' دعوت وتبلیغ کے حوالے سے تاریخ احمدیت میں اہم مقام کی حامل ہیں۔ مجھے اب بھی جب وہ خوبصورت ڈیکوریشن پیس یاد آتا ہے تو اُس نامعلوم احمدی آرٹسٹ یا صناع کی پاکیزہ سوچ، دینی ذوق اور لطیف فنّی حس کو سراہتا ہوں۔

زیارت کا نادر موقعہ

یہ غالباً 1963 یا 1964 کا واقعہ ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی علالت نے طول کھینچا اور رُوئے انور کی زیارت سے محرومی کی تلافی کیلئے منتظمین نے یہ پروگرام بنایا کہ مرکز سلسلہ کے دفاتر' شعبوں اور اداروں میں کام کرنے والوں کیلئے اجتماعی زیارت کی صورت پیدا کی جائے۔ اس کے تحت ہر دفتر' اور ادارے میں کام کرنے والے دوستوں کے گروپ' اپنی اپنی باری پر قصر خلافت حاضر ہوتے۔ جس کمرے میں حضور کا قیام تھا وہاں سے قطار میں زائرین مؤدّبانہ سلام عرض کرتے ہوئے حضور پُر نور کے قریب سے گزرتے۔ حضور چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ مصافحہ اور دست بوسی کی اجازت نہ تھی۔ خاکسار اُس وقت تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سٹاف پر تھا۔ سکول کے سربراہ' میاں محمد ابراہیم صاحب جمونی کی قیادت میں تمام اساتذہ کو حضور کی زیارت کا یہ نادر موقع میسر آیا۔ اس وقت سٹاف کی طرف سے حضور کی خدمت میں فلالین کے بنے ہوئے چند جوڑے اظہارِ محبت کیلئے بطور ہدیہ پیش کئے گئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی وفات اور تدفین

طویل علالت کے بعد 1965 میں 7 اور 8 نومبر کی درمیانی رات حضورؓ انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ ہے کہ یہ سانحہ اچانک پیش نہیں آیا۔ اس طویل علالت نے جماعت کو ذہنی طور پر اس صدمے کیلئے تیار کر دیا ورنہ جماعت کو حضور کی ذاتِ اقدس سے جو والہانہ محبت تھی، دائمی مفارقت کا صدمہ برداشت نہ ہوسکتا۔ حضور کی وفات کے وقت مَیں نوشہرہ (صوبہ سرحد) میں تھا۔ اُسی دن سفر اختیار کیا اور ربوہ پہنچ گیا۔ حضورؓ کے آخری دیدار اور جنازہ میں شرکت کیلئے لوگ گروہ در گروہ، پاکستان کے طول و عرض سے ربوہ پہنچ رہے تھے۔ قصرِ خلافت کے باہر سوگواروں کی لمبی قطار بیرونی گیٹ سے نکل کر سڑک تک پہنچی ہوئی تھی۔ میں بھی اس قطار میں کھڑا تھا۔ میرے محترم دوست، مرزا ادریس احمد صاحب کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ میاں صاحب مجھے اپنے ساتھ قصرِ خلافت لے گئے اور حضورؓ کے رُخِ انور کی زیارت نصیب ہوگئی۔ کسی بھی بیمار کے چہرے پر علالت اور نقاہت کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ مگر حضورؓ کا چہرہ ایک صحت مند شخص کی طرح بارونق اور نفسِ مطمئنہ کی سکینت کا مظہر تھا۔ نورانی چہرے والی یہ تصویر جماعتی اخبارات و رسائل اور تاریخی کتب کا حصہ بن چکی ہے۔ جب بھی کسی کتاب یا جریدے میں اس تصویر پر نظر پڑتی ہے مجھے محترم میاں ادریس احمد صاحب مرحوم یاد آجاتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اس احسان کی یاد بھی تازہ ہوجاتی ہے اور اُن کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

حضورؓ کا جسدِ خاکی کندھوں پر اُٹھا کر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر کے درمیان والی سڑک کے راستے گول بازار سے ہوتا ہوا بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ درود شریف کا وِرد اور زیرِلب دعائیں کرنے والے سوگواروں کا جمِ غفیر ساتھ ساتھ تھا۔ اس احقر کو بھی کندھا دینے کا شرف حاصل ہوا۔ جی چاہتا تھا کہ اسی حالت میں چلتا رہوں۔ سب کی یہی خواہش تھی۔ مگر دوسرے عشاق کا بھی حق تھا۔ سب چند قدم چل کر دوسرے دوستوں کیلئے ایثار کر رہے تھے۔ خاندانِ حضرت اقدسؑ کے افراد اور حضرت مصلح موعودؓ کے صاحبزادے بھی اس سفر میں شامل تھے۔ سیّد حضرت اللہ پاشا بھی سوگواروں کے ہجوم میں موجود تھے۔ اُن پر عشق و محبت اور وارفتگی کی ایک خاص کیفیت غالب تھی۔ سیّد صاحب پیدائشی احمدی نہیں تھے۔ امریکہ میں حصول تعلیم کے دوران، ناقدین اسلام کے اعتراضات کے جوابات کی تلاش میں وہ احمدیت سے متعارف ہوئے اور پھر مزید تحقیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُنہیں قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائی اور اخلاص و فدائیت میں بڑی تیزی سے ترقی کی۔ وہ جنازے کے ساتھ، بآوازِ بلند یہ کہہ رہے تھے۔ اب نہ مسیح موعودؑ آئیں گے اور نہ اُمّ المؤمنینؓ اور نہ ہی کوئی مصلح موعود پیدا ہوگا۔ وہ جذباتی انداز میں حضورؓ کی دائمی مفارقت کے اس صدمے کی طرف متوجہ کر رہے تھے!

اب تو بہشتی مقبرہ کا طول و عرض قبروں سے بھر چکا ہے۔ 1965 کے بہشتی مقبرے کا شمال مغربی حصہ ایک خالی میدان تھا۔ اسی میدان میں ہزاروں وابستگان خلافت نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی امامت میں حضورؓ کی نماز جنازہ ادا کی۔ اس کے بعد حضورؓ کے جسدِ خاکی کو بہشتی مقبرہ کی اندرونی چاردیواری میں امانتاً تدفین کیلئے پہنچایا گیا۔ لکڑی کے ایک صندوق پر جستی چادروں کا بھی صندوق تھا۔ صدر انجمن احمدیہ کے ناظران، تحریک جدید کے وکلاء، صحابہ کرام، امرائے جماعت، انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کی مجالسِ عاملہ کے اراکین اور بعض اہم شخصیات کو اس چاردیواری میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ عاجز مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ سے وابستگی کی وجہ سے وہاں حاضر تھا۔ تابوت کے قبر میں رکھے جانے کے بعد حاضرین نے مٹی دینے کی سنت ادا کی۔ یہی مشکل مرحلہ تھا۔ کانپتے ہوئے عاصی ہاتھوں سے مسنون دُعا کے ساتھ مٹی ڈالی۔ قبر تیار ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے دعا کروائی۔ اس کے معاً بعد حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے بطور اعلان یہ درخواست کی کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تشریف لے جانے تک، احباب چاردیواری کے اندر ہی ٹھہریں۔ اس کے بعد حضور تشریف لے گئے اور پھر آہستہ آہستہ تمام سوگوار رخصت ہوئے۔ 12 جنوری 1889 کو طلوع ہونے والا یہ چاند، دنیا کے کناروں تک نور کی کرنیں بکھیرنے مختلف قوموں کے متلاشیانِ حق پر روحانی برکتیں نچھاور کرنے اور ظاہری اور باطنی علوم کے خزانے لٹانے کے بعد، غروب ہوگیا۔

اس کے بعد جب بھی بہشتی مقبرہ جانے کا موقعہ ملا، والدین کے مزاروں پر دعا کرنے سے قبل، حضرت مصلح موعودؓ کے مرقدِ انور پر حاضر ہو کر حضورؓ کی بلندیٔ درجات، اور قبولیت خدمات کیلئے دعا کی توفیق ملی۔ اکنافِ عالم سے وہاں جانے والے شمع خلافت کے پروانوں کے لب پر یہی ہوتا ہے ؏

مِلّت کے اس فدائی پہ رحمت خُدا کرے

* * * * * *

ایک عظیم الشان پیشگوئی

اور

اس کا ایمان افروز ظہور

عطاء المجیب راشد، امام مسجد فضل لندن

اللہ تعالیٰ کی ازل سے یہ سنت جاری ہے کہ جب بھی وہ دنیا میں کوئی رسول یا نبی بھیجتا ہے تو اپنے فرستادہ کی صداقت ظاہر کرنے کی خاطر اسے آسمانی نشانات سے نوازتا ہے۔ یہ آسمانی نشانات اور پیشگوئیاں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کو بھی ثابت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کی صداقت اور سچائی پر بھی مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

ہمارے اس زمانہ میں جو امت محمدیہ کا دور آخرین ہے اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روحانی فرزند جلیل، سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو احیائے اسلام کی خاطر، ایک امتی نبی کے طور پر، امام مہدی اور مسیح موعود کا منصب عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔ آپ کی آمد کا مقصد حبیبِ خدا کے لائے ہوئے محبوب دین، دینِ اسلام کو سب دینوں پر غالب کرنا ہے۔ اس عظیم مقصد کی خاطر آپ نے ساری زندگی وقف کئے رکھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے مشن کو لے کر اکناف عالم میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے میں عظمتِ اسلام کا علَم لہرا رہا ہے اور شش جہات میں لوگوں کے دل اسلام کی خاطر جیتے جا رہے ہیں۔ احیائے اسلام کے ایک بابرکت دور کا آغاز ہو چکا ہے جس کا اختتام عالمگیر غلبۂ اسلام کی صورت میں مقدر ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے بکثرت ایسی پیشگوئیاں بطور نشان عطا فرمائیں جو اپنے وقت پر بڑی شان سے پوری ہوئیں اور آپ کی صداقت کا نشان ٹھہریں۔ ان پیشگوئیوں میں سے ایک عظیم الشان پیشگوئی مصلح موعود سے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کو 1882 میں ماموریت کے الہام سے مشرف فرمایا۔ آپ نے خدمتِ اسلام کا علَم اس شان سے بلند فرمایا کہ آپ کی خدمات کی بازگشت برصغیر سے نکل کر یورپ اور امریکہ میں بھی سنائی دینے لگی۔ آپ نے ساری دنیا کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور صداقتِ اسلام کے نشانات اس غلامِ احمد کے ذریعہ مشاہدہ کریں جس کو خدا تعالیٰ نے مقامِ ماموریت سے نوازا ہے۔ قادیان کے رہنے والے غیر مسلموں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ باقی دنیا کے لئے نشان نمائی کا اعلان فرما رہے ہیں۔ ہم جو آپ کے پڑوس میں رہتے ہیں ہمارے لئے بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشان دکھلایا جائے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اس مخلصانہ درخواست کو قبول فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حضور تخلیہ میں خصوصی دعاؤں کے لئے سوجان پور جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مرحلہ پر الہاماً آپ کو بتایا گیا کہ تیری عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی۔ چنانچہ 1886 کے شروع میں آپ اس عظیم روحانی مجاہدہ کے لئے ہوشیار پور تشریف لے گئے۔

قریباً 40 روز کی گریہ وزاری کا شیریں پھل رحمت الٰہی نے آپ کی جھولی میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے الہاماً آپ کو بشارت دی کہ :

> ’’میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا‘‘۔

جس نشانِ رحمت کی نوید آپ کو سنائی گئی اس کے بارہ میں الہامی الفاظ یہ تھے۔

"قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام"

جو نشان آپ کو عطا کیا جانے والا تھا اس کی عظمت کا ذکر کرنے کے بعد اس کے عظیم الشان مقاصد اور برکات کا بھی اس الہام میں ذکر ملتا ہے۔

"خدا نے یہ کہا کہ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔"

(اشتہار 20 فروری 1886 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 101-102)

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کی مظہر، اس عظیم الشان پیشگوئی میں آپ کو دو بیٹوں کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی۔ ایک بیٹا تو مہمان کے طور پر تھا جو ولادت کے بعد جلد ہی دنیا سے رخصت ہونے والا تھا جبکہ دوسرا بیٹا لمبی عمر پانے والا، اور غیر معمولی صفات کا حامل اور خارقِ عادت کارہائے نمایاں سرانجام دینے والا بابرکت وجود تھا۔

20 فروری 1886 کو شائع ہونے والی یہ عظیم المرتبت پیشگوئی ہر لحاظ سے خدائے قادر کی قدرت اور جلال کی آئینہ دار ہے۔ پیشگوئی کے وقت حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی عمر اکاون سال ہو چکی تھی۔ کون جانتا ہے کہ اس کی زندگی کتنی لمبی ہوگی۔ یہ حتمی وعدہ دیا گیا کہ فرزند موعود نو سال کے عرصہ میں ضرور پیدا ہو جائے گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے گا اور اس کی بیوی بھی زندگی پائے گی۔ پھر اولاد ہونے کا کون ضامن ہے؟ اولاد ہو بھی تو بیٹا ہوگا یا بیٹی، کون اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اگر بیٹا بھی ہو تو کسے معلوم کہ وہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ اور اگر وہ زندہ رہے تو کن صفات کا حامل ہوگا۔ اور زندگی میں کیا کرے گا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے بارہ میں کوئی انسان بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ سب باتیں غیب کے پردوں میں چھپی ہوتی ہیں۔ عالم الغیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں وہ شخص بتا سکتا ہے جس کو خدائے ذوالجلال نے اس کا علم دیا ہو!

دنیا کے مادہ پرست لوگوں نے اور تاریکی کے فرزندوں نے جب یہ حتمی اعلانات سنے تو اپنی جہالت سے بدزبانی پر اتر آئے۔ خدا کی بتائی ہوئی باتوں پر پھبتیاں کسنے لگے اور ہر ہر بات کو تمسخر کا نشانہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی غالب تقدیر نے بھی عجیب رنگ دکھایا۔

پیشگوئی کے چند ماہ بعد آپ کے ہاں ایک بیٹی کی ولادت ہوئی۔ مخالفین جھٹ بول پڑے کہ پیشگوئی غلط ہو گئی۔ ابھی ان کا مزید امتحان مقصود تھا۔ اگلے سال آپ کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی لیکن وہ پندرہ ماہ بعد وفات پا گیا۔ مخالفین نے ایک بار پھر شادیانے بجائے کہ خدا کی بات اور آپ کی بتائی ہوئی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ لیکن نہیں۔ کون ہے جو خدا کی بات کو جھوٹا کر سکے اور کون ہے جو خدائی تقدیر کے راستہ میں کھڑا ہو سکے؟ مخالفین کی ان تعلّیوں کے جواب میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے کامل یقین، جلال اور تحدی سے فرمایا کہ فرزند موعود خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔

چنانچہ وہی ہوا جو ازل سے مقدر تھا۔ پیشگوئی میں پہلے روز سے بتائی گئی نو سالہ مدت کے اندر 12 جنوری 1889ء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کو ایک فرزند عطا فرما دیا!

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس فرزند موعود کی ولادت کا ذکر اسی روز ایک اشتہار کے ذریعہ کر دیا۔ عجیب تصرف الٰہی دیکھئے کہ یہ اعلانِ ولادت اسی

اشتہار "تکمیل تبلیغ" میں شائع کیا گیا جس میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے جماعت احمدیہ میں شمولیت کے لئے دس بنیادی شرائط بیعت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ حسن توارد بھی مصلح موعود سے متعلق اس پیشگوئی کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔

فرزند موعود۔ جس کا پورا نام صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ ہے ۔ پیشگوئی کے عین مطابق پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پچاس سے زائد صفات کا حامل ہوا جن کا ذکر پیشگوئی میں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

> "وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے پاک کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت وغیوری نے اسے اپنے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا...... دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الأوَّلِ والآخِرِ مَظْهَرُ الحق و العُلَاءِ۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنی نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وکان امرًا مقضیاً۔"

(اشتہار 20 فروری 1886 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 101-102)

اس پیشگوئی میں مذکور ایک ایک بات اپنی ذات میں ایک عظیم پیشگوئی ہے۔ ایک ایک صفت ایسی ہے کہ جس کو یہ نصیب ہو جائے وہ عظمت وشوکت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ پھر اس موعود فرزند کی عظمت کا اندازہ کیجئے جو ان سب صفات کا مصداق بننے والا تھا۔ دنیا کی نظر میں تو شاید ان اوصافِ عالیہ کا ایک فرد واحد میں اجتماع قطعاً ناممکن بات ہو لیکن یہ اس قادر وتوانا، ربّ ذی الجلال والاکرام کا کلام اور اس کی پیشگوئی تھی جس کے آگے کوئی بات انہونی اور مشکل نہیں۔ خدا نے جو چاہا وہ بالآخر ہو کر رہا!

ناممکن اور نامساعد حالات کے باوجود یہ سب باتیں پوری ہو کر رہیں۔ دنیا نے دیکھا، اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب اس بات کے زندہ گواہ بنے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے مقدس گھر میں پیدا ہونے والا فرزند موعود۔ مصلح موعود کے طور پر مطلع عالم پر بڑی شان سے ابھرا جو صفات اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام میں بتائی گئی تھی وہ ان سب کا مصداق ثابت ہوا۔ خدا کا سایہ ہمیشہ اس کے سر پر رہا۔ وہ جلد جلد بڑھا اور پیشگوئی میں مذکور ہر ایک بات کو پورا کرتے ہوئے فائز المرام اس دنیا سے رخصت ہوا، اس عظمتِ شان کے ساتھ کہ اس کا نیک تذکرہ ہمیشہ جاری وساری رہے گا کہ وہ خدائے رحمان کا ایک عظیم نشان تھا اور ظاہر ہے کہ خدائی نشانوں کی عظمت کبھی ماند نہیں پڑتی۔

اس اجمالی ذکر کے بعد آیئے ذرا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے قدم بقدم چل کر دیکھیں کہ اس مقدس وجود نے کن رفعتوں کو چھوا، کون سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور کس طرح خدمت دین کے لئے اپنی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ قربان کر دیا۔

26 مئی 1908ء کو حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا وصال ہوا۔ حضرت مصلح موعودؓ آپؑ کے بچوں میں سب سے بڑے تھے۔ اچانک اس عظیم خلاء سے گھریلو اور خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ پر جو بوجھ آن پڑا اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس ذاتی صدمہ سے بڑھ کر آپ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے لائے ہوئے مشن کو خدانخواستہ کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ایسے نازک اور دردبھرے موقع پر حضرت مصلح موعودؓ نے، جو اس وقت انیس سال کے تھے، حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے جنازہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ عہد کیا کہ

> "اگر سارے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا، تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کروں گا اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا۔"

(تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 560)

یہ وقتی اور جذباتی اظہار نہ تھا، ایک سچا اور قطعی پیمانِ وفا تھا جس کو آپؓ نے ہر آن

یادرکھا اور خوب خوب نبھایا۔

صرف کر ڈالیں خدا کی راہ میں سب طاقتیں
جان کی بازی لگا دی قول پر ہارا نہیں

حضرت مصلح موعودؓ نے جوانی کی حدود میں قدم رکھتے ہی خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ یہ مبارک جہاد آپ کی ساری زندگی پر پھیلا نظر آتا ہے۔1906ء میں سترہ سال کی عمر میں آپ صدر انجمن احمدیہ کے ممبر مقرر ہوئے اور اسی سال آپ نے جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ پر پہلی بار تقریر کی۔1910ء میں خلافت اولیٰ کے دور میں پہلی بار خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ 1912ء میں آپؓ نے بلاد عربیہ کا سفر فرمایا۔اس سفر کے دوران آپؓ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور شریفِ مکہ سے بھی ملاقات کی۔اس سفر میں آپؓ مصر بھی تشریف لے گئے۔اسی طرح آپ نے اٹلی میں وزیر اعظم مسولینی سے بھی ملاقات کی۔

1913ء میں آپؓ کو جماعت کی ایک عظیم اور پائیدار خدمت کی توفیق عطا ہوئی۔آپؓ کے ہاتھوں اخبار الفضل کا اجراء ہوا۔جماعت کا یہ نقیب آج بھی بڑی شان سے جاری ہے۔ربوہ کے علاوہ لندن سے اس کا انٹرنیشنل ایڈیشن بھی شائع ہوتا ہے۔الفضل اخبار نے جماعتی تربیت اور خاص طور پر خلیفہ وقت کے ارشادات ساری دنیا میں پھیلانے کے سلسلہ میں تاریخی کردار ادا کیا ہے۔

1914ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات ہوئی تو خلافت کی ذمہ داری حضرت مصلح موعودؓ کے سپرد ہوئی۔جماعت کی غالب اکثریت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔اس وقت آپ کی عمر صرف پچیس سال تھی۔دنیا کی نظر میں ایک کم عمر،نوجوان، ناتجربہ کار اور دنیوی اعتبار سے علمی لیاقت نہ رکھنے والے کے کندھوں پر یہ بھاری بارِ امامت ڈال دیا گیا۔بعض نے خیال کیا اور برملا اس کا اظہار بھی کہ اب اس جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا کیونکہ اس کی باگ ڈور ایک بچے کے سپرد کر دی گئی ہے جو ان کی نظروں میں اس لائق نہ تھا۔لیکن جسے خدا نے خلیفہ بنایا ہو اور جسے خدا نے یہ مرتبہ عطا فرمایا ہو وہ بھلا کیسے ناکام ہو سکتا تھا؟ وہی بچہ، خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے سایہ میں ایک عظیم قائد کے طور پر اُبھرا اور دن بدن آگے سے آگے بڑھتا چلا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی عقل و فراست ،روحانی ،علمی اور قائدانہ صلاحیتوں میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی۔دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنی جاں نثار جماعت کو ایسا متحرک اور فعال بنا دیا کہ جماعت احمدیہ نہ صرف سارے ہندوستان میں ایک منظم اور مستعد جماعت کے طور پر پہچانی جانے لگی بلکہ دیگر ممالک میں بھی اس جماعت کے حوالے سے اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے خلیفۃ المسیح الثانی کے طور پر اکاون سال سے زائد عرصہ تک جماعت احمدیہ کی قیادت فرمائی۔یہ تاریخِ احمدیت کا ایک سنہری دور ہے۔اس دور میں اسلام کی ترقی اور غلبہ، احمدیت کے استحکام،قرآن مجید کی اشاعت اور ملک و قوم کی خدمت وغیرہ کے اعتبار سے اتنے کام ہوئے کہ ان کا تذکرہ کرنے کے باوجود ہمیشہ ہی یہ احساس رہتا ہے کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کسی بھی کام کو احسن رنگ میں سرانجام دینے کے لئے پلاننگ اور تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔حضرت مصلح موعودؓ نے سب سے پہلے اس بنیادی کام کی طرف توجہ فرمائی۔منصبِ خلافت پر متمکن ہونے کے ایک ماہ بعد آپ نے ملک بھر کے احمدی نمائندگان کی ایک خصوصی مجلسِ شوریٰ طلب فرمائی۔غور و فکر،مشورہ اور دعاؤں کے بعد فوری طور پر آپؓ نے تربیتی ،اصلاحی،تنظیمی اور تبلیغی کاموں کا بیک وقت آغاز کر دیا۔برطانیہ میں تبلیغ اسلام کے لئے خلافتِ اُولیٰ کے آخر میں مبلغ بھجوائے جا چکے تھے تاہم برطانیہ میں مرکزی دار التبلیغ کا باقاعدہ قیام خلافت ثانیہ کے آغاز میں اپریل1914ء میں ہوا۔اس سے اگلے سال ماریشس اور سیلون میں بھی تبلیغی مراکز جاری ہوئے۔1920ء میں امریکہ اور 1921ء میں سیرالیون، غانا، نائیجیریا اور بخارا میں تبلیغ اسلام کے مراکز قائم ہوئے اور یہ سلسلہ مسلسل آگے سے آگے بڑھتا رہا۔

خلافت ثانیہ میں مجموعی طور پر46 ملکوں میں جماعت کو تبلیغی مراکز قائم کرنے کی توفیق ملی۔بیرونی ممالک میں 311 مساجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ان مساجد کے میناروں سے صبح و شام توحید کی منادی ہونے لگی۔تبلیغ اسلام کا مقدس فریضہ ہمیشہ ہی حضرت مصلح موعودؓ کی ترجیحات میں سرِفہرست رہا۔آپ نے جماعت کو تحریک کی کہ نوجوان خدمت دین کے لئے اپنی زندگیاں اس طور پر وقف کریں کہ ان کا کوئی مطالبہ نہیں ہوگا اور وہ ہر کام کے لئے ہمیشہ تیار رہیں

گے،آپ نے جماعت کے سامنے یہ انقلابی تحریک پیش فرمائی اور ساتھ ہی اپنا شاندار قابل تقلید نمونہ بھی۔آپ نے فرمایا۔

''میرے تیرہ لڑکے ہیں اور تیرہ کے تیرہ دین کے لئے وقف ہیں''

جماعت کے جاں نثاروں نے اس تحریک پر والہانہ لبیک کہا اور سینکڑوں نوجوانوں نے اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کر دیئے۔تعلیم وتربیت سے فارغ ہوکر ہندوستان اور اکناف عالم میں مفوضہ خدمات سرانجام دینے لگے۔آپؓ کے دور میں 164 واقف زندگی مجاہدین نے دیارِ غیر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ان میں ایسے خوش نصیب بھی تھے جنہوں نے اس راہ میں قید و بند کی صعوبتیں مردانہ وار برداشت کیں اور تبلیغ کے جہاد سے غازی بن کر فائزالمرام واپس لوٹے۔کچھ ایسے خوش قسمت بھی تھے جنہوں نے اسی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور دور دراز ملکوں کی سرزمین اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے سو گئے۔خوشا نصیب کہ وہ شہادت کا جام پی کر ابدی اور لازوال زندگی سے ہمکنار ہو گئے۔مجاہدینِ اسلام کو یہ توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عطا ہوئی لیکن قربانی کا یہ جذبہ پیدا کرنے میں حضرت مصلح موعودؓ نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی بعثت سے قبل عیسائی مناد سارے ہندوستان کو عیسائی بنانے کا عزم لے کر نکلے اور یہ اعلان کر رہے تھے کہ اس پہلی منزل کو سر کرنے کے بعد ہم اسلام کے مرکز خانہ کعبہ پر بھی تثلیث کا پرچم لہرا دیں گے۔مسلمان اس صورتحال سے دم بخود بیٹھے تھے۔اسلام کا دفاع کرنے کی نہ ان میں ہمت تھی اور نہ جذبہ۔اس کسمپرسی کے دور میں اللہ تعالیٰ نے کاسرِ صلیب حضرت امام مہدی علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے تائید ونصرت الٰہی اور خداداد دلائل و براہین سے نہ صرف اسلام کا دفاع کیا بلکہ عیسائیت کو حجت و برہان کے میدان میں شکستِ فاش دے کر پسپائی پر مجبور کر دیا۔

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے غلبۂ اسلام کے لئے جن مستحکم بنیادوں پر کام کا آغاز فرمایا حضرت مصلح موعودؓ نے اس مشن کو بڑی تیزی اور مستعدی سے آگے بڑھایا۔ساری دنیا میں تبلیغی مراکز کا جال بچھا کر آپ نے اسلام کے حق میں ایک خوش آئیند انقلاب برپا کر دیا۔اسلام پر حملہ کرنے والے غیر مسلم منادنے راہِ فرار اختیار کی۔پے در پے ناکامیوں کے بعد بعض افریقن ممالک میں عیسائی مشنز اپنی تبلیغی مساعی بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔جماعت احمدیہ کی تبلیغی کوششوں سے تثلیث کدوں کی رونقیں ماند پڑنے لگیں۔یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف غیروں کو بھی ہے۔اس عالمگیر روحانی انقلاب کے معماروں میں حضرت مصلح موعودؓ کا نامِ نامی کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت کا میدان بھی حضرت مصلح موعودؓ کی نظر سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔آپؓ نے افریقن ممالک کی طرف اس ضمن میں خصوصی توجہ فرمائی کیونکہ وہاں پر تعلیمی اور طبی سہولتوں کا فقدان پایا جاتا تھا۔آپ کے دورِ خلافت میں 24 ممالک میں 74 تعلیمی مراکز،سکول اور کالجز کا قیام ہوا۔28 دینی مدارس جاری ہوئے اور 17 ہسپتالوں کا قیام عمل میں آیا۔

قیام پاکستان کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ نے حضرت مصلح موعودؓ کی قیادت میں ہر مرحلہ پر تاریخ ساز کردار ادا کیا۔قائد اعظم کی برطانیہ سے ہندوستان واپسی اور مسلمانان ہند کی قیادت کا کام دوبارہ شروع کرنے میں حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات اور کوششیں شامل تھیں۔آپ کی ہی ہدایت پر اس وقت کے امام مسجد فضل لندن مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے قائد اعظم کو اس کام کے لئے رضامند کیا۔قیامِ پاکستان پر منتج ہونے والی اس تاریخی خدمت کا غیروں نے بھی برملا اعتراف کیا ہے۔

سیاسی محاذ پر ہندوستان کے مسلمانوں کی پرزور اور بےلوث نمائندگی کا حق حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ نے ادا کیا جو حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی میں کام کر رہے تھے۔اس کے علاوہ دنیا کے متعدد ممالک کو آمرانہ تسلط سے نجات دلانے اور آزادی سے ہمکنار کرنے میں بھی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے ایسی سنہری خدمات سرانجام دیں جو تاریخ عالم کے صفحات سے کبھی مٹائی نہیں جاسکتیں۔ناشکرے پن سے ان کا انکار تو کیا جاسکتا ہے اور بدنیتی سے ان کا تذکرہ چھپایا تو جاسکتا ہے لیکن یہ ایسی بےلوث خدمات ہیں جو انصاف پسند مسلمانوں کے دل سے کبھی محو نہیں ہوسکتیں۔مسلمانانِ عالم کی یہ خادم جماعت حضرت مصلح موعودؓ کی بابرکت قیادت میں ہر میدان میں سعیٔ مشکور کی توفیق پاتی رہی۔پیشگوئی کا یہ فقرہ کہ

''وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی''

بار بار بڑی شان سے پورا ہوتا رہا۔

برّصغیر کی تقسیم کے وقت لاکھوں بے سہارا، بھوکے، پیاسے اور در بدر ٹھوکریں کھانے والے مہاجرین کی جس طرح منظم طور پر بے لوث خدمت جماعت احمدیہ کے رضاکاروں نے کی وہ تاریخ احمدیت کا ایک زریں باب ہے۔اس عظیم خدمت کے پیچھے حضرت مصلح موعودؓ کا شفیق وجود متحرک نظر آتا ہے۔قیامِ پاکستان کے بعد اہلِ کشمیر کو ہندوؤں کے مظالم سے نجات دلانے اور کشمیر کی تحریکِ آزادی کو منظّم کرنے کے سلسلہ میں بھی حضرت مصلح موعودؓ نے بنیادی اور کلیدی کردار ادا کیا۔آپؓ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پہلے صدر رہے۔ حکومت پاکستان کی درخواست پر آپ کی زیرِ ہدایت فرقان فورس نے کشمیر کے محاذ پر فوجی خدمات سرانجام دیں۔یہ بٹالین احمدی رضاکاروں پر مشتمل تھی جس نے 1948 سے 1950 تک بہت جوش اور مستعدی سے کشمیر کے محاذ پر پاکستانی فوج کی مدد کی۔احمدی رضاکاروں کو حکومت پاکستان اور اخبارات نے اس خدمت پر دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا۔

جماعت کے نظام کو مستحکم اور منظّم کرنے کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دینے کی توفیق پائی ان کی فہرست بہت طویل ہے۔آپؓ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصف صدی سے زائد عرصہ منصبِ خلافت پر فائز رہے۔تنظیم کا کام اس سارے عرصہ میں جاری رہا۔جماعت کے انتظامی ڈھانچہ کو مستحکم کرنے کے لئے آپ نے 1919ء میں صدر انجمن احمدیہ میں نظارتوں کے نظام کو وسعت دی۔ جماعت کے مردوں اور عورتوں کو مختلف ذیلی تنظیموں میں تقسیم کرکے اپنے اپنے دائرہ کار میں متحرک اور فعال بنانا بھی آپؓ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔1922ء میں لجنہ اماءِ اللہ اور 1928 میں ناصرات الاحمدیہ کا نظام قائم فرمایا۔خدام الاحمدیہ کا قیام 1938 میں ہوا جبکہ اطفال الاحمدیہ کی تنظیم 1940 میں بنائی گئی۔اسی سال مجلس انصار اللہ کا قیام بھی عمل میں آیا۔نظامِ خلافت کے بعد مجلسِ شوریٰ کا نظام سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اس کا آغاز 1922 سے فرمایا۔آپ نے باقاعدہ وقف زندگی کی تحریک 1917 میں کی اور ان واقفین کی تعلیم و تربیت کے لئے 1928ء میں جامعہ احمدیہ قائم فرمایا۔دار القضاء کا قیام 1925ء میں عمل میں آیا۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بہت سے نازک مراحل آئے لیکن عشاقِ اسلام کا یہ کارواں اپنے صاحب شکوہ، مسیحی نفس امام کی قیادت میں ہمیشہ امن و سلامتی کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتا رہا۔پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق خدا کا سایہ اس کے سر پر تھا اور نصرتِ خداوندی کے سایہ میں اس نے دشمن کی ہر تدبیر کو ناکام و نامراد بنا دیا۔1923ء میں ہندوؤں نے دوسرے لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کو ہندو بنانے کا عزم لے کر شدھی کی زبردست تحریک شروع کی۔بہت سے مسلمان اس ریلے میں بہہ کر ہندو ہوگئے۔یہ صورتحال دیکھ کر حضرت مصلح موعودؓ کا دل سخت بے چین ہوگیا اور آپؓ نے شدھی کی اس تحریک کے مقابل پر جوابی تحریک شروع فرمائی۔احمدیت کے وفا شعار مجاہدین نے آپؓ کی زیرِ ہدایت ایسی جاں نثاری سے اس جہاد میں حصہ لیا کہ نہ صرف بہت سے مسلمان ہندو ہونے سے بچ گئے بلکہ جو لوگ ہندو ہوگئے تھے وہ دوبارہ اسلام کی آغوش میں آگئے۔

1934ء میں احرار نے جماعت احمدیہ کے خلاف ملک گیر تحریک جاری کی۔ان کا دعویٰ تھا کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، جماعت احمدیہ کو دنیا سے کلیۃً نابود کردیں گے اور اس جماعت کا نام و نشان مٹا کر دم لیں گے۔حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی خداداد فراست سے نہ صرف احرار کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا بلکہ اس ناپاک منصوبہ کے جواب میں تحریک جدید کے نام سے ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک کا آغاز فرمایا جس کے ذریعہ ساری دنیا میں اشاعتِ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا جانے لگا۔اس تحریک جدید کے شیریں ثمرات نے آج کل عالم کو اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے اور دنیا کے اکثر ممالک اسی بابرکت تحریک سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

1947ء میں جب برّصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تو جماعت احمدیہ کو اپنے مقدس مرکز قادیان سے ہجرت کرنی پڑی۔یہ وقت جماعت کے لئے بہت ہی کٹھن تھا۔حضرت مصلح موعودؓ نے کمال فراست اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف افرادِ جماعت کی جانی و مالی حفاظت کا انتظام کیا بلکہ پاکستان میں جماعت کے لئے نیا مرکز بھی قائم کردیا۔ایک سال کے اندر اندر دار الہجرت ربوہ کا قیام فی الحقیقت ایک معجزہ سے کم نہیں۔بے آب و گیاہ، ویران و بنجر سرزمین کی جگہ اب ایک سرسبز و شاداب، ترقی یافتہ، پُررونق اور خوبصورت شہر آباد ہے۔ربوہ کا وجود قائم و دائم رہے گا۔کوئی جبری قانون اس کے نام کو مٹا نہیں سکتا۔اس بستی کا چپہ چپہ اس بات کا گواہ رہے گا کہ اس کا بانی صاحبِ عزم بھی تھا اور صاحبِ عظمت بھی!

مخالفت کی آندھیاں ہمیشہ سے خدائی جماعتوں کی تاریخ کا حصہ

رہی ہیں۔1953ء میں پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف مجلسِ احرار نے ایک ملک گیر تحریک چلائی۔ان کے عزائم انتہائی ظالمانہ اور خطرناک تھے۔ایسے مراحل بھی آئے کہ بڑے صاحبِ حوصلہ لوگوں کے پتے پانی ہو رہے تھے لیکن وہ مبارک وجود جس کو خدا نے اپنے کلام میں ''سخت ذہین و فہیم'' فرمایا، جس کے نزول کو بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب قرار دیا، وہ اولوالعزم راہنما' جماعت کے سر پر موجود تھا اور اس کے سر پر خدا کا سایہ تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس نازک دَور میں جماعت کی حفاظت اور راہنمائی کا فریضہ انتہائی خوش اسلوبی سے ادا فرمایا اور اللہ سے خبر پا کر یہ اعلان بھی فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔میں دیکھ رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد کو دوڑا چلا آ رہا ہے۔ان ہنگاموں کے نتیجہ میں چند خوش قسمت احمدیوں نے شہادت کا اعزاز پایا لیکن مخالفت کا یہ سیلاب جماعت کی ترقی کو ہرگز روک نہ سکا۔بلکہ جماعت کی مستقل ترقی کا ایک اور وسیلہ تحریکِ وقفِ جدید کی صورت میں نمودار ہوا جس کا آغاز حضرت مصلح موعودؓ نے 1957ء کے آخر پر فرمایا ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پیشگوئی مصلح موعود میں فرزندِ موعود کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی تھی کہ

''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا''

اس کا ایمان افروز ظہور اس طور پر ہوا کہ خدائے علّام الغیوب نے حضرت مصلح موعودؓ کو دنیاوی ڈگریوں کے بغیر اور نہایت کمزور صحت کے باوجود دینی اور دنیاوی علوم سے مالا مال کر دیا۔آپ کو مطالعہ کا بہت زیادہ شوق تھا۔اس ذریعہ سے جو علم آپ حاصل کر سکتے تھے وہ آپؓ نے کیا۔اس پر مزید یہ کہ اس سخت ذہین و فہیم انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضلوں کا سایہ تھا۔خدا نے اس میں اپنی روح ڈال کر اس کو اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح فرمایا۔ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کے اجتماع نے نورٌ علیٰ نور کی کیفیت پیدا فرما دی اور دنیا نے دیکھا، سنا اور بارہا مشاہدہ کیا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے دینی معاملات میں ایسا بلند علمی مرتبہ حاصل کیا جو اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا۔آپؓ نے اپنی زندگی میں کم و بیش 225 کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ان کتب میں سے چند ایک کے نام بطور نمونہ حسب ذیل ہیں:

دیباچہ تفسیر القرآن۔فضائل القرآن۔سیرت خیر الرسل۔احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔دعوت الامیر۔اسلام میں اختلافات کا آغاز ملائکۃ اللہ۔ہستی باری تعالیٰ۔منہاج الطالبین۔سیر روحانی۔

آپ کی جملہ کتب ''انوار العلوم'' کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

ان بلند پایہ علمی تصانیف سے بہت بڑھ کر آپؓ کے خداداد علم کا شاہکار آپؓ کی تصنیف فرمودہ تفسیر صغیر اور تفسیر کبیر ہیں۔قریباً دس ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی یہ تفسیر کبیر لاجواب معارف سے پُر ہے۔آپؓ کی علمی تصانیف اور بالخصوص تفسیر کبیر پڑھ کر بڑے بڑے علماء اور ماہرین علوم نے آپؓ کے تبحّرِ علمی کا اعتراف کیا۔آپؓ کے فیض رساں علمی وجود کے ذریعہ دنیا کو جو برکت نصیب ہوئی اس کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ آپؓ کے دورِ خلافت میں دنیا کی سولہ زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کی اشاعت ہوئی اور آپؓ کی زیرِ نگرانی قریباً چالیس اخبارات اور رسائل دنیا کے مختلف ممالک سے جاری ہوئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی متحرک اور خدمات دینیہ سے بھرپور زندگی کے اگر دو جامع عناوین دیئے جا سکتے ہیں تو وہ اشاعتِ اسلام اور خدمتِ قرآن ہیں۔یہ دونوں باتیں تو گویا آپؓ کی روح کی غذا تھیں۔آپؓ نے تحریر و تقریر کے میدان میں ان مقاصدِ عالیہ کی خاطر انتھک خدمات سرانجام دیں۔اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے قلم اور زبان میں ایسی دلکشی اور شیرینی رکھ دی تھی کہ پڑھنے والے آپؓ کی تحریرات پڑھتے ہوئے علمی معارف میں گم ہو کر رہ جاتے اور آپؓ کی تقریریں سننے والے گھنٹوں آپؓ کے خطابات سنتے رہتے اور انہیں وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔لاریب آپؓ اپنے وقت کے عظیم مصنف اور لاثانی خطیب تھے۔مقدس باپ سلطان القلم تھا تو عظیم بیٹا سلطان البیان تھا۔حق یہ ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی ساری زندگی، اور ساری خداداد صلاحیتیں اس راہ میں وقف کر دیں
ع

جان کی بازی لگا دی قول پر ہارا نہیں

1924ء کا سال حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی کا ایک اہم سال ثابت ہوا۔آپؓ نے لندن میں منعقد ہونے والی مذاہبِ عالَم کے نمائندگان کی

عالمی کانفرنس میں شمولیت فرمائی۔ یہ کانفرنس ویمبلے امپیریل انسٹی ٹیوٹ لندن میں منعقد ہوئی۔ آپؓ نے اس کانفرنس کے لئے ایک خطاب لکھا جس کا انگریزی ترجمہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ نے اجلاس میں سنایا۔ آپؓ کا یہ معرکتہ الآراء خطاب بعدازاں ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اسی سفر کے دوران حضرت مصلح موعودؓ نے مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے پرسوز دعاؤں کے ساتھ رکھا۔ یہ سنگ بنیاد گویا یورپ بلکہ ایک لحاظ سے ساری دنیا میں اشاعتِ اسلام کی عالمگیر مہم میں ایک سنگِ میل ثابت ہوا۔

لندن میں تعمیر ہونے والی اس سب سے پہلی مسجد کے بعد تو اکناف عالم میں مساجد اور تبلیغی مراکز کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر آن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اشاعتِ اسلام کی ان ہمہ گیر کوششوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کا تشخص دنیا کے کونے کونے میں متحقق ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کا مبارک نام بھی زمین کے کناروں تک شہرت پا گیا ہے۔

خدمتِ اسلام کے سلسلہ میں حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اور بہت ہی نمایاں کارنامہ 1928ء میں سیرت النبی ﷺ کے مبارک جلسوں کا آغاز ہے۔ سید المعصومین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی پاکیزہ سیرت کو داغدار بنانے کے مذموم ارادہ سے جب دشمنانِ اسلام نے رنگیلا رسول جیسی ناپاک کتابیں شائع کیں تو قلبِ محمودؓ پر ایک قیامت گذر گئی۔ آپؓ نے اس ناپاک اور ظالمانہ کوشش کے مثبت اور مؤثر جواب کے طور پر سارے ملک میں سیرت النبی ﷺ کے جلسوں کا اہتمام کروایا۔ ایسی شان سے یہ جلسے منعقد ہوئے کہ قریہ قریہ اور بستی بستی حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ ﷺ پر درود و سلام سے گونج اٹھے۔ بعد میں یہ سلسلہ اور بھی وسیع ہو گیا اور اب تو سیرت النبی ﷺ کے یہ بابرکت جلسے جماعت احمدیہ عالمگیر کی پہچان بن گئے ہیں۔

اس عظیم پیشگوئی کے سب پہلوؤں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ حق یہ ہے کہ پیشگوئی حضرت مصلح موعودؓ، رب ذوالجلال کی قدرت، عظمت، جلال اور رحمت کا ایک تابندہ نشان ہے۔ ہر پہلو سے ایک تابناک معجزہ ہے۔ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ خدائے قادر کا کلام تھا جو بڑی شان سے پورا ہوا۔ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو سنا، وہ برحق تھا۔ آپؑ نے دنیا کو جو بتایا، وہ سچ تھا۔ اس پیشگوئی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ غلام احمد ہی وہ سچا مہدی اور مسیح ہے جس کی سچائی ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت، طاقت اور جبروت کا یہ زندہ نشان اسے عطا فرمایا!

لاکھوں لاکھ درود و سلام ہوں حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر کہ آپؐ کے مبارک نامِ احمدؐ کی برکت سے ایک غلامِ احمدؑ کو آپ ﷺ کی غلامی کی برکت سے امتی نبوت کا تاج پہنایا گیا۔ پھر اس غلامِ احمدؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق ایک فرزند موعود سے نوازا جو ان ساری صفات کا مصداق ثابت ہوا جن کا ذکر مقدس پیشگوئی میں کیا گیا تھا۔ کلام اللہ کا مرتبہ اس شان سے پورا ہوا کہ پیشگوئی کا ایک ایک حرف اس پر صادق آیا اور ایک ایک بات کلام اللہ کی صداقت پر گواہ ٹھہری۔ حق یہ ہے کہ پیشگوئی کا اس طور پر ایمان افروز ظہور ہمیشہ ہمیش کے لئے صداقتِ اسلام کا ایک زندۂ جاوید نشان ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ تو انسان ہونے کے ناطے، اس دنیا سے فائز المرام رخصت ہوئے اور اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھائے گئے لیکن یہ آسمانی نشان ہمیشہ زندہ رہے گا اور حضرت مصلح موعودؓ کی حسین یاد بھی اس نشان کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی کہ یہ عظیم الشان پیش خبری آپؓ کے وجود میں بڑی شان سے پوری ہوئی اور اس کے فیوض قیامت تک جاری و ساری رہیں گے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ؎

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پر رحمت خدا کرے

اس عظیم الشان پیشگوئی کے ایمان افروز ظہور کو دیکھ کر اور اس پیشگوئی کی جاری و ساری عالمگیر تاثیرات کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد آج الحمدللہ ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ؎

اب وقت آ گیا ہے کہ کہتے ہیں حق شناس
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

و آخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

…… * * * * * * ……

انٹرنیٹ پر ہرزہ سرا مداریوں سے

جمیل الرحمٰن ۔ ہالینڈ

سکرین پہ کیوں غمزے دکھاتے ہو تم آکر
کیا جوہر مردانگی سے ہو سبھی عاری
ہمت ہے تو مردوں کی طرح سامنے آؤ
ہر فیصلہ کر دے گی دعاؤں کی کٹاری

تم آج بھی سمجھے نہیں آدم کی حقیقت
تم آج بھی ہو خانہء ابلیس کے چمچے
آؤ تو سہی دُو بدُو پھر دیکھو گے تم بھی
میدان میں لگتے ہیں کدھر کُشتوں کے پُشتے

ایمان سے محروم ہو تقویٰ سے تہی ہو
کیا یاد دلائیں تمہیں اوقات تمہاری
تم پردۂ دانش میں جہالت کے ثنا خواں
تم جیسے بہت دیکھے ہیں دنیا نے مداری

ہم واقفِ احوال ہیں اے ہر زہ سراؤ
تم بزدل و مکّار ہو شہرت کے بھکاری
اے فاسقو وہ گوہرشب جاں ہے ہماری
انگشت نما تم ہوئے مرشد پہ ہمارے

کرتا ہے خداوند پہ وہ جان نچھاور
وہ نعمت یزداں ہے وہی مظہرِ دیں ہے
ہر سانس سے اُس کی ہیں بندھی سانسیں ہماری
اُس پیکرِ توحید سا کیا کوئی کہیں ہے؟

تم بُغضِ علیؓ ہی میں رہو سربگریباں
صد شکر بہم ہے ہمیں اک سایہء شفقت
تم اپنی یتیمی پہ کرو نوحہء پیہم
مولیٰ ہی تمہارا نہ میسّر ہے خلافت

خاموشی کو تم سمجھو نہ کمزوری ہماری
ہم چاہیں تو پل میں تمہیں چٹکی میں اُڑادیں
خیبر کریں مسمار زمیں لاشوں سے بھر دیں
مل جائے اگر اِذنِ بَرَن ' حشر اٹھادیں

لیکن ہمیں تلقین ہے بس صبر وغنا کی
اور ضبط کے جوہر نے کیا ہے ہمیں صیقل
تعلیم ہمیں اُسوہَ نبویﷺ سے ملی ہے
ہم بجھنے نہیں دیتے کبھی ہوش کی مشعل

دل پر جو گزر جائے کسی سے نہیں کہتے
ہاں سجدوں میں اک حشر اٹھا دیتے ہیں رو کر
کرتے ہیں فقط بارگہ مولیٰ میں فریاد
دکھ اپنے سبھی اُس کو سنادیتے ہیں رو کر

ہم مولیٰ کے ہیں اور ہمارا ہے وہ مولیٰ
نکلو سرِ میداں تو تمہیں ہم یہ دکھائیں
کس طرح اُلٹتے ہیں صفیں مٹھی کے کنکر
کیا رنگ دکھاتی ہیں سرِ رزم دُعائیں

تبلیغ، وقت کی ضرورت

مولانا محمد ظفراللہ ہنجرا، ہیوسٹن ٹیکساس

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اب تو جو فرماں ملا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتوان و دلفگار
دعوت ہر ہرزہ گو کچھ خدمت آسان نہیں
ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گزر میں دشتِ خار

گزشتہ شمارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش اور تڑپ کا ذکر کیا تھا جو کہ تبلیغ کے لئے آپ کے اندر موجزن تھی جس نے کبھی دعا کا رنگ اختیار کیا تو کبھی ماننے والوں کو ابھارا۔ ان کے سامنے دینِ اسلام کی صورت حال رکھی تا کہ ان کے اندر بھی احساس بیداری پیدا ہو جائے۔ دعوتِ الی اللہ کوئی آسان کام نہیں۔ مختلف مزاجوں سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کے ساتھ وقت کی قربانی کا مطالبہ بھی ہے اور یہ بھی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔

تاریخِ اسلام ان قربانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعوت حق کرتے ہوئے آگ کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہی آگ آخر گلزار بن گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا تذکرہ سورۃ نوح میں ملتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

اَے میرے رَبّ میں دن کو بھی اور رات کو بھی تبلیغ کرتا رہا لیکن میری قوم دُور بھاگتی رہی۔ میں نے ان کو ایمان لانے کے فوائد بتائے لیکن انہوں نے اس پر کان نہ دھرا۔ میں نے ظاہری طور پر بھی تقریروں کے ذریعے بھی اور ذاتی طور پر پوشیدگی میں بھی سمجھایا لیکن اس کے باوجود وہ انکار میں اور بڑھتے گئے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے مختلف رنگ تھے۔ ایک رنگ قرآن کریم یوں پیش فرماتا ہے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ○

(الشعراء 4:26)

شاید تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے گا کہ وہ کیوں نہیں مومن ہوتے۔

سورۃ الکہف (7:18) میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کیا اگر وہ اس عظیم الشان کلام پر ایمان نہ لائیں تو تُو ان کے غم میں شدّت افسوس کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔

آپ کے تبلیغ کے مختلف انداز تھے۔ سب سے پہلے رشتہ داروں اور قریبیوں کو تبلیغ کرنے کا خدا کی طرف سے حکم آیا

وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ○

(الشعراء 215:26)

تو اس کے لئے رشتہ داروں اور قریبیوں کو خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔ اس میں ایک حکمت تھی کہ وہ لوگ آپ کو جانتے تھے۔ آپ کا ماضی ان کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھا اور آپ کا قول آپ کے فعل کی تصدیق کر رہا تھا۔ اسلئے کسی نے آپ کی ذات پر انگلی نہیں اٹھائی۔ ہاں اس پیغام کو سمجھنے سے انکار کر دیا۔

اور قرآن کریم میں دوسری جگہ جہاں دعوت الی اللہ کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ عملِ صالح کا بھی ذکر کیا:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا...

(حٰمٓ السَّجۡدَۃِ 35:41)

طائف کی وادی

جب قول کے ساتھ فعل کی مطابقت ہوگی تو اس قول کو بھی پھل لگنے شروع ہونگے اور پھراس کے ساتھ آپ نے انفرادی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا پھر آپ نے میلوں میں جا کر خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ مکہ سے نکل کر طائف کی وادی میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے نتیجے میں مخالفت ہوئی اور سرداران ثقیف نے بجائے پیغام سننے کے اپنے جاہلوں اور لونڈی غلاموں کو آپ کے پیچھے کر دیا۔ جنہوں نے آپ کو تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ آپ وہاں سے لاچار ہو کر ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ ایک درخت کے سایہ میں آرام کیا اور خدا کے حضور یہ دعا مانگی:

دُعا

اے خدا تیرے ہی حضور میں اپنی ضعیف قوت اور لاچاری اور لوگوں کی ایذادہی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو ہی بے چاروں کا چارہ اور میرا کارساز ہے۔ مجھ کو تو کس کے سپرد کرتا ہے۔ کیا ایسے اجنبی کے جو مجھ سے ترش روئی کرے یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر مسلط کیا ہو۔ اگر تیرا غضب مجھ پر نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

مگر تیری عافیت بڑی وسیع ہے میں تیرے اس نور ذات کے ساتھ جس سے تو نے ظلمات کو روشن کیا ہے۔ اور دنیا و آخرت کے امور کو اس پر درست کیا ہے۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو اپنا غضب وغصہ مجھ پر نازل فرمائے۔ یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں نہ کوئی ضرر دُور کرنے کی قوت ہے اور نہ نفع حاصل کرنے کی۔

راوی کہتا ہے جب عتبہ اور شیبہ نے حضور اقدس کو اس حالت میں دیکھا تب ان کو آپ پر ترس آیا انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام عداس کو انگور کے خوشے طباق میں رکھ کر پیش کرنے کیلئے کہا۔ حضور اقدس نے اس موقع کو بھی غنیمت جانا اور اس نصرانی غلام کو نینوہ شہر کے نبی یونس بن متی سے نسبت دیتے ہوئے تبلیغ کی تو عداس یہ سن کر حضور کی طرف جھکا اور آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ جب عتبہ اور شیبہ نے اپنے غلام عداس سے پوچھا کہ تو نے کیوں بوسہ دیا تو اس نے کہا اے میرے آقا! ان سے بہتر دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے۔

چنانچہ آپ کی تبلیغ کی تفصیل بہت لمبی ہے جو کہ ہر پہلو پر حاوی ہے۔ لیکن آج اس جوش وولولہ کا ذکر کر رہا ہوں جس کی آسمانی شہادت ہے کہ کیا تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔

ثمامہ بن اثال یمامہ کا رئیس تھا اور اسلام کا مجرم تھا۔ حسنِ اتفاق سے گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو آنحضرت صلعم نے مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ آنحضرت صلعم نماز کیلئے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی۔ آپ نے پوچھا اے ثمامہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو قتل کریں گے۔ اگر معاف کر دیں تو یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہوگا اگر مال کی خواہش ہے تو وہ ارشاد کریں حاضر کر دیتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اس حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن بلکہ تیسرے دن بھی یہی گفتگو ہوئی۔ آپ صلعم نے اس کے بند کو کھول دیا اور اس کو رہا کر دیا۔ وہ اتنا متاثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر غسل کر کے واپس آیا اور کلمہ ءتوحید پڑھا اور آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہوا، محمد! زمین پر آپ کا چہرہ میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھا۔ آج سب سے زیادہ محبوب ہے اور آپ کے دین سے عداوت تھی آج سب سے زیادہ عزیز ہو گیا۔ مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی سے دشمنی نہ تھی لیکن آج وہ تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔

عبداللہ بن سلام ایک یہودی عالم تھے۔ اسلام قبول کیا تو آپ کے چہرہ کو دیکھ کر بے اختیار بول اُٹھے:

وجهه ليس بوجه كذاب

جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہوسکتا

پس دعوت الی اللہ کے لئے عمل صالح کی شرط اس تبلیغ کو موٴثر کرنے کیلئے ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغام ربّانی لے کر جانے کی ہدایت کی تو یہ ارشاد فرمایا:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

(طٰہٰ 20: 44-45)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے۔ تو دونوں اس سے نرم گفتگو کرنا۔ شاید وہ سمجھ جائے یا ہم سے ڈرنے لگے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قیام مکہ کے زمانہ میں جب مشرکینِ مکہ نے اپنی پناہ میں لے لیا تو آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی اور وہ تبلیغ کا پہلا مرکز بن گئی۔ کیونکہ کفار نے آپ کو اونچی آواز سے قرآن پڑھنے سے منع کیا کیونکہ وہ آواز متاثر کر رہی تھی اور مدینہ میں مصعب بن عمیر پہلے مبلغ اسلام تھے جو ناز و نعمت میں پلے ہوئے تھے مگر دین کی خاطر قربانی کی اس دنیوی نعمتوں کی بجائے اُخروی نعماء کو اپنا مقصود بنایا اور جب شہادت پائی تو کفن کیلئے کافی کپڑا بھی دستیاب نہ ہوسکا۔ یہ تو ایک لمبی داستان ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

جاودانی زندگی ہے موت کے اندر نہاں
گلشن دلبر کی راہ ہے وادیِ غربت کے خار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو آپ کے غلام کامل تھے۔ آپ نے ربّ کریم سے ایک دعا مانگی ہے ؎

مجھ کو دے اِک فوقِ عادت اَے خدا جوش و تپش
جس سے ہو جاؤں میں غم میں دِیں کے اک دیوانہ وار

آپؑ فرماتے ہیں:

مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا و آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اور اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگر چہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔۔۔ پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُر خار بادیہ در پیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔

(انوار الاسلام صفحہ 22)

حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

گرمی کا موسم دو پہر کے وقت چند احباب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر تھے۔ جہاں حضور تصنیف کا کام کر رہے تھے۔ پنکھا بھی اس کمرہ میں نہیں تھا۔ بعض دوستوں نے عرض کیا کہ حضور کم از کم پنکھا تو لگوالیں تا کہ اس سخت گرمی میں حضور کو کچھ آرام تو ہو۔ حضور نے فرمایا اس کا یہی نتیجہ ہوگا نا کہ آدمی کو نیند آنے لگے اور وہ کام نہ کر سکے۔ ہم تو وہاں کام کرنا چاہتے ہیں جہاں گرمی کے مارے لوگوں کا تیل نکلتا ہو۔

(سیرۃ المھدی صفحہ 2/73)

جن دنوں پنجاب میں طاعون کا دور دورہ تھا اور آپ کی صداقت کا ایک نشان تھا اور لوگ مر رہے تھے شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت مسیح موعودؑ کو علیحدگی میں دعا کرتے ہوئے سنا، اس دعا میں آپکی آواز میں اس قدر درد اور سوزش تھی کہ سننے والے کا پتہ پانی ہوتا تھا اور آپ اس طرح آستانہء الٰہی پر گریہ وزاری کر رہے تھے کہ جیسے کوئی عورت دردِ زہ سے بے قرار ہو میں نے غور سے سنا تو آپ مخلوقِ خدا کے واسطے طاعون کے عذاب سے نجات کیلئے دعا فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ الٰہی اگر یہ لوگ طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو گئے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا۔

(سیرۃ مسیح موعود)

یہ جوش اور درد حضرت مسیح موعودؑ کی نظم اور نثر میں بڑی کثرت سے موجود ہے۔ اس وقت جو ہماری ذمہ داری ہے وہ جوش اور درد ہے جو ہمارے دلوں کا حصہ بنے۔ ایک دفعہ حضور اقدسؑ ظہر کے وقت تشریف لائے اور احباب کو فرمایا:

یہ وقت بھی ایک قسم کے جہاد کا ہے میں رات کے تین تین بجے تک جاگتا ہوں اس لئے ہر ایک کو چاہیئے کہ اس میں حصہ لے اور دینی ضرورتوں اور دینی کاموں میں دن رات ایک کر دے۔

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 510)

ایک احمدی حج کو جاتے ہوئے کچھ عرصہ مصر میں مقیم رہے اور وہیں ٹھہر کر حضرت اقدسؑ کی کتب کی اشاعت کر رہے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ اگر حکم ہو تو میں اس سال حج ملتوی رکھوں اور مجھے اور کتب ارسال ہوں تو ان کی اشاعت کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

''ان کو لکھ دیا جاوے کہ کتابیں روانہ ہوں گی ان کی اشاعت کیلئے مصر میں قیام کریں اور حج انشاءاللہ پھر اگلے سال کریں (من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ)۔''

(ملفوظات جلد 2صفحہ 617)

ہمارے دوضروری کام

اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں ایک یہ کہ عرب میں اشاعت اور دوسرے یورپ پر اتمام حجت کریں۔عرب پر اس لئے کہ اندرونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہوگا کہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ خدا نے کوئی سلسلہ قائم کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ان کو پیغام پہنچائیں۔

اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہوگی

ایسا ہی یورپ والے بھی حق رکھتے ہیں کہ ان کی غلطیاں ظاہر کی جاویں کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خدا سے دُور جا پڑے ہیں۔یورپ کا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ واقع اخلد فی الارض کا مصداق ہوگیا ہے۔طرح طرح کی ایجادیں صنعتیں ہوتی رہتی ہیں۔اس سے تعجب مت کرو کہ یورپ ارضی علوم وفنون میں ترقی کر رہا ہے۔یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب آسمانی علوم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں تو پھر زمین ہی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں۔یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ نبی کلیں بھی بنایا کرتے تھے یا ان کی ساری کوشش اور ہمتیں ارضی ایجادات کی انتہا ہوتی تھیں آج جو اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا کا زمانہ ہے۔یہ مسیح موعود ہی کے وقت کیلئے مخصوص تھا۔۔۔

توہین اسلام کی حد ہوچکی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اس پچاس ساٹھ سال میں جس قدر کتابیں اخبار رسالے توہینِ اسلام میں شائع ہوئے ہیں کبھی ہوئے تھے؟

پس جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو کوئی مومن نہیں بنتا جب تک کہ اس کے دل میں غیرت نہ ہو بے غیرت آدمی دیوث ہوتا ہے۔اگر اسلام کی عزت کیلئے دل میں محبت نہیں ہے تو عبادت بھی بے سود ہے کیونکہ عبادت محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔۔۔

ہمیں اتفاق نہیں ہوا کہ انگریزی میں لکھ پڑھ سکتے اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے مگر اس میں مصلحت یہ تھی کہ تا دوسروں کو ثواب کیلئے بلائیں۔ورنہ میری طبیعت تو ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو کام میں خود کر سکتا ہوں اس کیلئے کسی دوسرے کو کبھی کہتا ہی نہیں۔۔۔

یاد رکھو خُدا کی توفیق کے بغیر دین کی خدمت نہیں ہوسکتی۔جو شخص دین کی خدمت کے واسطے شرح صدر سے اٹھتا ہے خدا اس کو ضائع نہیں کرتا۔

(ملفوظات جلد1صفحہ 478)

یہ تڑپ تھی اس امام زمانہ کی جو یورپ اور عرب سے دُور اور انگریزی زبان سے ناواقف قادیان کی دُور افتادہ بستی میں بیٹھے اپنے ماننے والوں کو ترغیب وتحریص دلا رہا تھا جو بہت غریب تھے اور ان کے پاس وسائل نہیں تھے وہ مقدس وجود محنت ومشقت کا عادی تھا۔اس تڑپ کے لئے آرام کو اپنے پاس نہ آنے دیا کہ کہیں خدمت دین سے سستی نہ ہوجائے۔

ہم آج انگریزی خواں بھی ہیں۔اس یورپ کے ماحول میں رہ رہے ہیں اور دوسری قوموں کے لوگ بھی ہماری دسترس سے دُور نہیں پھر آنے جانے اور زادِراہ کے بھی مسائل نہیں ہیں۔اور اس کے ساتھ یہ عہدِ وفا بھی ساتھ لئے جا رہے ہیں کہ خلیفۃ المسیح کی آواز پر لبیک کہیں گے۔آج امام وقت کی انگلی چھوٹے گاؤں کی طرف رُخ کرنے کے اشارے کر رہی ہے۔اشارہ ہی نہیں بلکہ حکم دیا گیا ہے اور ہر فردِ جماعت نے 1200 افراد کو اس سلسلہ کا پیغام پہنچانا ہے۔امریکہ کی جماعتوں میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوچکی ہے۔ایک احساس ہے جو ذہنوں میں پیدا ہو چکا ہے۔Houston میں مکرم نثار احمد صاحب اور شیخ افتخار احمد صاحب ہر جمعہ کو اپنے وقت کو تبلیغی کیسٹس بنانے میں صرف کرتے ہیں اور پھر اس کو ریڈیو اسٹیشن میں چلانے کیلئے وہاں تک پہنچاتے ہیں۔دُور بیٹھے ہوئے لوگ خیال کرتے ہیں یہ تو کوئی مشکل کام نہیں یہ مشکل ان کیلئے نہیں جو کرنا جانتے ہیں ورنہ تو بہت مشکل ہے۔

حقیقت یہ ہے مصروف آدمی کی زندگی ہمیشہ نئے نئے زاویے اور راہیں تلاش کرتی ہے جبکہ بے کار آدمی نکتہ چینی اور عیب جوئی میں مصروف رہتا ہے اپنے آپ کو سب سے زیادہ مصروف سمجھتا ہے۔پس ہمیں ہمیشہ یہ محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے کہ ہم نے آج دینِ اسلام کی کیا خدمت کی ہے؟

باقی آئندہ

* * * * * * *

کتنے موسم بیت گئے

ارشاد عرشی ملک اسلام آباد پاکستان

arshimalik50@hotmail.com

آپ کے در پر آتے جاتے کتنے موسم بیت گئے
آپ کو دل کے زخم دکھاتے کتنے موسم بیت گئے

من کے بنجر صحرا میں دن رات بگولے رقصاں ہیں
ہم کو اپنی خاک اڑاتے کتنے موسم بیت گئے

خود بھڑکایا درد کا بھانبھڑ اشکوں کے چھڑکاؤ سے
پانی سے یہ آگ لگاتے کتنے موسم بیت گئے

جاناں کھڑکی کھول بھی دو اب جان لبوں پر آ پہنچی
اس چوکھٹ سے سر ٹکراتے کتنے موسم بیت گئے

تنہا صبحیں، تنہا شامیں، تنہا راتیں بیتی ہیں
دل کو ملن کی آس دلاتے کتنے موسم بیت گئے

درد چھپایا، آنسو پونچھے، چہرے پر مسکان سجائی
ان رمزوں سے جی بہلاتے کتنے موسم بیت گئے

شائد آج وہ پٹ کھولیں اور، شائد آج وہ درشن دیں
ہر شب دل کی آس بندھاتے کتنے موسم بیت گئے

آپ کے لب سے نکلی 'ہوں ہاں' اپنے دل کا روگ بنی
'ہوں ہاں' کو معنی پہناتے کتنے موسم بیت گئے

آپ نے اک دن یونہی مُڑ کر مجھ کم ظرف کو دیکھا تھا
اس دن سے خود پر اتراتے کتنے موسم بیت گئے

ماتمِ ہستی اتنا پھیلا جیون شامِ غریباں ہے
خود روتے اوروں کو رُلاتے کتنے موسم بیت گئے

آس کی ننھی مدھم لو تھی سخت تھپیڑے فرقت کے
آندھی سے یہ دیپ بچاتے کتنے موسم بیت گئے

جس کے عشق میں سُدھ بُدھ کھوئی، دنیا چھوڑی، خاک ہوئے
اس سے قول و قرار نبھاتے کتنے موسم بیت گئے

ہجر نہ جس کا جھیلا جائے، جس کی ہر پل راہ تکوں
ہائے اسے مجھ سے کتراتے کتنے موسم بیت گئے

بے ننگ و بے نام تو تھے ہی، اب بے گھر بھی' بے دَر بھی ہیں
جگ سے اپنا حال چھپاتے کتنے موسم بیت گئے

فرصت میں سب زخم کھرچنا اپنا شوق پرانا ہے
دل کے سوئے درد جگاتے کتنے موسم بیت گئے

آپ کے در پر آ تو گئے ، پر عرضِ تمنّا کر نہ سکے
یونہی جھجکتے اور شرماتے کتنے موسم بیت گئے

جلوۂ جاناں جھیل نہ پائے ، اب تک آنکھیں ششدر ہیں
حیراں دل کو ہوش میں لاتے کتنے موسم بیت گئے

تیرے ذکر کی محفل سے ہم دل میں چراغاں کرتے ہیں
چھوٹے چھوٹے دیپ جلاتے کتنے موسم بیت گئے

اک دیوار اٹھاتی ہوں تو ، دو دیواریں ڈھے جاتی ہیں
دل کا اُجڑا شہر بساتے کتنے موسم بیت گئے

کملی جَھلّی اور سودائی ، جگ نے کیا کیا لقب دیئے
عشق میں تیرے نام رکھاتے کتنے موسم بیت گئے

آپ کے اک دو مبہم فقرے میری عمر کا حاصل ہیں
ہر پھر کر ان کو دہراتے کتنے موسم بیت گئے

گریہءپیہم خیر ہو تیری تو بھی ہارا ہم بھی ہارے
اشکوں سے یہ آگ بُجھاتے کتنے موسم بیت گئے

جانی پہچانی تھیں راہیں ، تیرے مُکھ کا چانن بھی تھا
پھر بھی گرتے ٹھوکر کھاتے کتنے موسم بیت گئے

اب بھی حُبِ دنیا کی کچھ چھینٹیں دل پر باقی ہیں
آنچل سے یہ داغ چھڑاتے کتنے موسم بیت گئے

درد ہی اپنا سنگی ساتھی ، درد ہی اپنا جیون ہے
عرؔشی درد کے نغمے گاتے کتنے موسم بیت گئے

تاریخِ احمدیت سے ایک ورق

لوائے احمدیت

بشیر احمد ملک آف قادیان، ونچسٹر ورجینیا

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احمدیت کے جھنڈے کی نسبت فرمایا:

''یہ تو ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا قائم رکھا جاتا تھا۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اب تک ترکوں کے پاس رسولِ کریم ﷺ کا جھنڈا موجود ہے۔ یہ صحیح ہو یا نہ ہو بہر حال ایک لمبے عرصے تک مسلمانوں کے پاس جھنڈا قائم رہا۔ اس لئے اس زمانہ میں بھی جو ابھی احمدیت کا ابتدائی زمانہ ہے۔ ایسے جھنڈے کا بنایا جانا اور قومی نشان قرار دینا جماعت کے اندر خاص قوی جوش کے پیدا کرنے کا موجب ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ سے پیسہ پیسہ دھیلا دھیلا کر کے مخصوص صحابہ سے ایک مختصر سی رقم لے کر اس سے روئی خریدی جائے اور صحابیات کو دی جائے کہ وہ کاتیں اور اس سوت سے صحابی کپڑا تیار کریں۔ اسی طرح صحابی ہی اچھی لکڑی تراش کر لائیں۔ پھر اس کے بعد باندھ کر جماعت کے نمائندوں کے سپرد کر دیا جائے۔ کہ یہ ہمارا پہلا قومی جھنڈا ہے۔ پھر آئندہ اس کی نقل تیار کروالی جائے۔''

(تاریخِ احمدیت صفحہ581)

''اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک کمیٹی مقرر فرمادی تھی جس کے ممبران حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تھے۔''

''کمیٹی کے سامنے جو کام درپیش تھے ان میں سب سے اہم ''لوائے احمدیت'' کا تیار کرنا تھا۔ جس کے متعدد پہلو قابل غور تھے۔

اوّل۔ جھنڈے کا ڈیزائن یعنی شکل کا فیصلہ۔

دوئم۔ صحابہ صحابیات حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس کے اخراجات کیلئے چندہ وصول کرنا۔

سوئم۔ اس سے کپڑا تیار کروانا۔

چہارم۔ جھنڈے کی لمبائی چوڑائی وغیرہ کا فیصلہ کر کے اس کو بنوانا۔

پنجم۔ پول تیار کروانا۔

ششم۔ جھنڈے کا نصب کرنا۔

ہفتم۔ اس کا لہرانا۔

چونکہ یہ کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے کمیٹی کیلئے بالکل نئی قسم کا تھا اس لئے ہر مرحلہ پر اور آخر وقت تک کمیٹی کو مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا رہا۔''

''حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح کے فیصلہ مشاورت کی تعمیل میں کمیٹی نے صحابہ کرام سے چندہ کی اپیل کی اور اس فنڈ میں دفتر محاسب کے پاس تیئس روپے آٹھ آنہ تین پیسے جمع ہوئے۔ لیکن یہ محسوس کیا گیا کہ اخراجات اس سے بہت زیادہ ہونگے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ایک پیسہ سے زیادہ چندہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے مزید روپیہ کیلئے دوبارہ اپیل شائع کی گئی اور ایک خاص محصّل کے ذریعہ کوشش کی گئی اور قادیان اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں ان دنوں جو صحابہ موجود تھے انہوں نے خاص طور پر چار آنے تک کی رقم فراہم کی اور بعض نے اس سے بھی زیادہ رقم عطا فرمائی۔ اس طرح ایک سو تیس روپیہ

کے قریب جمع ہو گیا۔

روئی کی خرید کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ایسی کپاس مل جائے جسے صحابیوں نے کاشت کیا ہو تو بہت اچھا ہے چنانچہ حضور کو اطلاع ملی کہ سندھ میں اس قسم کی کپاس موجود ہے۔ گو وہاں سے تو ایسی کپاس نہ مل سکی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور کی اس مبارک خواہش کو اس طرح پورا فرمایا کہ میاں فقیر محمد صاحب امیر جماعت احمدیہ ونجواں، گورداسپور جو صحابی ہیں قادیان تشریف لائے اور کچھ سوت حضرت ام المؤمنینؓ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ میں نے حضرت میاں بشیر احمدؓ صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے ہاتھ سے بیج بویا اور پانی دیتا رہا اور پھر چُنا اور صحابیوں سے دُھنوایا اور اپنے گھر میں اس کو کتوایا ہے۔ یہ سوت پہنچنے پر مولانا عبدالرحیم درد صاحب سیکریٹری خلافت کمیٹی نے امیر جماعت احمدیہ ونجواں کو پیغام بھیجا کہ ان کے پاس آ کر ان کی کاشت کی ہوئی روئی میں سے کچھ اور ہو تو وہ بھی بھجوا دیں۔ جس پر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے ذریعہ مزید آٹھ دس سیر روئی قادیان پہنچ گئی جو مولانا درد صاحب نے حضرت سیّدہ اُمِّ طاہر صاحبہ جنرل سیکریٹری لجنہ اماء اللہ کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھیج دی کہ وہ صحابیات کے ذریعہ حضرت اقدس کے ارشاد کے ماتحت اس روئی کا سوت تیار کروالیں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ دارالمسیح میں صحابیات سے سُوت کتوا دیا جس سے صحابی بافندگان کے ذریعہ قادیان اور تلونڈی میں کپڑا بنوایا گیا۔ ان میں سے ایک بزرگ میاں خیر الدین صاحب دری باف تھے۔

جھنڈے کا کیا سائز ہو؟ اس امر کی نسبت کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ کپڑا 18 فٹ لمبا اور 9 فٹ چوڑا ہو اس فیصلہ کے مطابق تیار شدہ کپڑے کو مطلوبہ سائز میں بدلنے میں صحابی درزیوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مگر ابھی اس کپڑے کے اوپر جھنڈے کی شکل نقش کروانا باقی تھا۔ اس اہم کام کیلئے ملک عطاء الرحمان صاحب مجاہد تحریک جدید نے بہت دوڑ دھوپ کی اور شاہدرہ سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ نیز حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب، صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مجلسی اور ذاتی دونوں لحاظ سے بہت دلچسپی لی۔ جھنڈے کے پول کے معاملہ میں ممبران کمیٹی کو بہت غور و خوض کرنا پڑا۔ ایک لمبی بحث کے بعد آخر یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ پائپ کرائے پر لے کر کام چلایا جائے کیونکہ لکڑی 62 فٹ لمبی خوبصورت اور سیدھی ملنا مشکل تھی اور اس کے کھڑے کرنے کا سوال بہت ٹیڑھا تھا۔ گو وقت بہت تھوڑا تھا لیکن بابو اکبر علی صاحبؓ کی کوشش سے یہ کام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(تاریخ احمدیت صفحہ 584-586)

’’جھنڈا سیاہ رنگ کے کپڑے کا تھا جس کے درمیان منارۃ المسیح، ایک طرف بدر اور دوسری طرف ہلال کی شکل سفید رنگ میں بنائی گئی ہے۔ کپڑے کا طول 18 فٹ اور عرض 9 فٹ ہے اور اسے بلند کرنے کیلئے سٹیج کے شمال مشرقی کونے کے ساتھ 62 فٹ بلند آہنی پول پانچ فٹ اونچا چبوترہ بنا کر نصب کیا تھا۔ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ سٹیج سے اتر کر 28 دسمبر 1939 کو 2 بج کر 4 منٹ پر اس چبوترہ پر تشریف لائے اور فرمایا تمام احباب رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔ کی دعا پڑھتے رہیں۔ اس دُعا کو پڑھتے ہوئے اور اس نظارہ سے متاثر ہو کر بہتوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور تمام مجمع پر رقت طاری ہوگئی۔ حضرت امیر المؤمنینؓ بھی رقّت انگیز آواز میں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔ بآوازِ بلند پڑھ رہے تھے۔ لپٹے ہوئے پھریرے کے کھلنے کے بعد حضورؓ نے نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان جھنڈے کی رسی کو کھینچا اور جھنڈا اوپر کو بلند ہونا شروع ہوا۔ اور نعرہ ہائے تکبیر کے دوران ہی پوری بلندی پر پہنچ گیا۔‘‘

(تاریخ احمدیت صفحہ606)

’’جھنڈے کے بلند ہوتے وقت ہوا بالکل ساکن تھی اور جھنڈا اوپر تک اس طرح لپٹا ہوا گیا کہ اس کے نقوش نظر نہ آ سکتے تھے لیکن اس کے اوپر پہنچتے ہی ہوا کا ایک ایسا جھونکا آیا کہ تمام جھنڈا کھل کر لہرانے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب تمام مجمع نے اچھی طرح دیکھ لیا تو ہوا پھر تھم گئی۔‘‘

’’اس کے بعد حضور نے فرمایا اس وقت سے اس جھنڈے کی حفاظت کیلئے مجلس خدام الاحمدیہ بارہ آدمیوں کا پہرہ مقرر کرے اور کل نماز جمعہ کے بعد اسے دو ناظروں کے سپرد کر دے جو اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہونگے۔ وہ نہایت مضبوط تالہ میں رکھیں جس کی دو چابیاں ہوں اور وہ دونوں مل کر اسے کھول سکیں۔‘‘

(تاریخ احمدیت صفحہ607)

* * * * * *

سوچنے کی باتیں

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ

مجھے یہ قصہ یاد کر کے ہمیشہ لذّت حاصل ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ترکوں اور یونانیوں میں جنگ ہوئی۔ یونانیوں کا ایک قلعہ تھا جو پہاڑی پر واقع تھا اور بہت مضبوط تھا یورپ والوں کا خیال تھا کہ ترک اس کو جلدی فتح نہیں کر سکتے اور اتنے میں ہم بیچ بچاؤ کر کے صلح کرا دیں گے گو ترکوں کے جرنیل عموماً خائن ہوتے رہے ہیں مگر بعض اعلیٰ درجہ کے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک ترکی فوج کا کمانڈر جس کو اپنے وطن اور قوم کی عزّت کا احساس تھا اس نے اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کو جو اس کے ماتحت تھے جمع کیا اور ایک تقریر کی جس میں بزدلی سے نفرت دلائی اور نیک نامی سے مرنے کی فضیلت بدنامی سے جینے پر ثابت کی اور پھر بڑے زور سے حملہ کیا۔ چونکہ انہوں نے نیچے سے اوپر چڑھنا تھا اور دشمن سر پر تھا اس لئے وہ آسانی سے ان کو نقصان پہنچا سکتا تھا اور ترک اس کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے بہت دفعہ حملہ کیا گیا مگر اوپر نہ چڑھ سکے آخر اس جرنیل کو ایک گولی لگی اور وہ گر پڑا دشمنوں نے خوشی کا نعرہ لگایا کیونکہ انہوں نے سمجھا اب ترکوں کو شکست ہو جائے گی لیکن دراصل جرنیل کو گولی لگنا ترکوں کی شکست کی علامت نہ تھی بلکہ اس میں ان کی فتح تھی۔ جب جرنیل گر پڑا اور لوگ اسے اٹھا کر علیحدہ جگہ لے جانے لگے تا کہ اس کی مرہم پٹی کریں تو اس نے اپنے ماتحتوں کو جن سے وہ بہت محبت کرتا تھا اور وہ بھی اسے اپنا محبوب سمجھتے تھے کہا تمہیں خدا کی قسم میرے جسم کو ہاتھ مت لگاؤ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے اور میری اس آخری گھڑی میں مجھ سے اظہارِ الفت کرنا چاہتے ہو تو اس کا صرف یہی طریق ہے کہ میری قبر اس قلعہ میں بناؤ اگر یہ نہیں کر سکتے تو مجھے یہیں پڑا رہنے دو کہ میری لاش کو کوّے اور کتّے کھا جائیں۔ جرنیل کے اس قول نے سپاہیوں کو دیوانہ بنا دیا اور انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس زور کا حملہ کیا کہ قلعہ پر چڑھ کر قبضہ کر لیا اور اس جدّ وجہد میں ان کے ناخن تک اُڑ گئے اور یورپ حیران رہ گیا جب یہ خبر شائع ہوئی کہ یونان کا فلاں قلعہ ترکوں نے فتح کر لیا۔

اسی طرح ایک عورت کا قصہ انگریزی ریڈروں میں طلباء نے پڑھا ہوگا کہ ایک عورت کے بچے کو عقاب اٹھا کر ایک پہاڑ پر لے گیا عورت بھی اس کے پیچھے گئی اور پہاڑ پر چڑھ کر عقاب کے گھونسلے تک پہنچ گئی اور اپنے بچے کو نکال لائی جب اس نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا اور خوش ہو چکی تو اسے ہوش آیا اور پھر اس کے لئے پہاڑ سے اُترنا مشکل ہو گیا۔ لوگوں نے بمشکل تمام اُسے اتارا اس سے پوچھا کہ تو کیونکر چڑھ گئی تھی اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مَیں کیسے چڑھی تھی۔ مَیں تو صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ میرے بچے کو عقاب ادھر لے گیا اور ادھر ہی میں خود جا رہی تھی۔ یہ دیکھو ایک عورت نے اس بچے کی تلاش میں وہ کام کیا جو بڑے بڑے مرد بھی نہیں کر سکتے تھے۔

پس تم بتاؤ کہ تمہیں خدا کے دین سے اس سے زیادہ محبت نہیں ہونی چاہیئے جو عورت کو اپنے بچے سے یا ترک سپاہیوں کو اس جرنیل سے تھی۔۔۔ کیا تم اس نظارے کو برداشت کر سکتے ہو کہ خدا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اعتراضوں کے زخموں سے چُور رہو اور تم آرام سے بیٹھے رہو۔

(سوچنے کی باتیں صفحات 16-18)

...... * * * * * * * ......

حضرت مصلح موعودؓ کے بارہ میں ایک بشارت

حضرت امام یحییٰ بن عقب رحمۃ اللہ علیہ جو پانچویں صدی ہجری میں بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نے اپنی نظم میں آخری زمانے میں نمودار ہونے والے انقلابات کا ذکر کرتے ہوئے مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور آپ کے موعود فرزند کی پیدائش کی خبر دی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

رَئَیتُ من الاسرار عجیب حال　　　واسباب سیظھر ھا مقال

و یظھر فی السماء عظیم نجمٍ　　　لہ زنب کمثل الریح العالی

فتلک دلائل الافرنج حَقًّا　　　ستملک السواحل والقلال

فتلک دلائل المھدی حَقًّا　　　سیملک للبلاد بلامحال

ویحضرالغیب راحتہ　　　وَتانَسہ الوحوش من الجبال

ویاتی بالبر اھین اللّواتی　　　بسملۃ البریۃ بالکمال

ومحمود سیظھر بعد ھذا　　　ویملک الشام بلاقتال

تطیع لہٗ حصون الشام جمعًا

وینفق مالہٗ فی کلّ حال

میں نے اسرار سے عجیب حالات و اسباب مطالعہ کئے ہیں جن کو میں اپنے اس کلام میں ظاہر کرتا ہوں۔ آسمان پر ایک بہت بڑا استارہ ظاہر ہوگا جس کی دم ہوا کی طرح بلند ہوگی۔ یہ نشان فرنگیوں کے غلبہ کے زمانے میں ظاہر ہوں گے۔ جو اس زمانے میں دریاؤں کے ساحلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک کے مالک ہو جائیں گے اور یہ علامات اس بات کی دلیل ہوں گی کہ مہدی کا ظہور ہو گیا ہے۔ وہ تمام شہروں کا مالک ہو جائے گا۔ پہاڑوں میں رہنے والے وحشی اس سے محبت رکھیں گے اور شہروں کے باشندے اس کی اطاعت قبول کریں گے۔ وہ کفر اور ضلالت کو دنیا سے نابود کر دے گا اور اپنے ساتھ ایسے زبردست دلائل اور براہین لے کر آئے گا کہ ان لوگوں کے کمال کا اعتراف کرنا پڑے گا۔‘‘

اور پھر

ومحمود سیظھر بعد ھذا　　　ویملک الشام بلاقتال

تطیع لہٗ حصون الشام جمعًا　　　وینفق مالہٗ فی کلّ حال

''اس کے بعد محمود ظاہر ہوگا جو ملک شام کو بغیر جنگ کے فتح کرے گا۔ شام کے قلعے اس کی اطاعت قبول کریں گے اور وہ اپنے مال کو بے حساب اور ہر حالت میں خرچ کرتا رہے گا۔''

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس عظیم فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کے بارے میں اپنے ایک کشف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ 'محمود'۔''

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد15صفحہ214)

حضرت امام یحیٰؒ بن عقبؒ کی پیشگوئی کے آخری دو اشعار میں شام کی فتح کا تذکرہ ہے۔ اس پیشگوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت سیّدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے دس سال بعد 1924 میں شام جانے، وہاں کے علماء کو پیغامِ حق پہنچانے اور وہاں مشن کھولنے کی توفیق ملی۔ اس امر کی تائید کہ حضرت امام یحیٰؒ بن عقبؒ کی اس پیشگوئی کی مندرجہ بالا تشریح درست ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:

"وقد اشیر فی بعض الاحادیث ان المسیح الموعود والدّجال المعهود یظهر ان فی بعض البلاد الشرقیة یعنی فی ملک الهند ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفة من خلفائه الیٰ ارض دمشق"۔

(حماتۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7صفحہ225)

کہ ''بعض احادیث میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسیح موعود اور دجال معہود کسی مشرقی ملک میں ظاہر ہوں گے۔ پھر مسیح موعود یا ان کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ دمشق کی طرف سفر کرتا ہوا جائے گا۔''

(ماہنامہ انصار اللہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نمبر 2009)

درازیٔ عمر کا نسخہ

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اگر انسان چاہتا ہے کہ لمبی عمر پائے تو اپنا کچھ وقت اخلاص کے ساتھ دین کیلئے وقف کرے۔ خُدا کیساتھ معاملہ صاف ہونا چاہیئے وہ دلوں کی نیت کو جانتا ہے۔ درازیٔ عمر کے واسطے یہ مفید ہے کہ انسان دین کا ایک وفادار خادم بن کر کوئی نمایاں کام کرے۔ آج دین کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی اُس کا بنے اور اس کی خدمت کرے۔''

(ذکرِ حبیب صفحہ 116-117)

اِک گوہرِ نایاب

احمد فواد چوہدری: ایک سترہ سالہ نوجوان

ثمینہ آرائیں ملک

ٹورانٹو کے مکرم اشرف علی چوہدری صاحب اور محترمہ روبینہ اشرف صاحبہ کے صاحبزادے عزیزم فواد احمد چوہدری نے Lake Ontario میں 25 اگست 2007ء کو اپنے دوست کو بچاتے ہوئے شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔
عزیزم فواد احمد، مکرم چوہدری فرزند علی صاحب مرحوم کے پوتے اور مکرم شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم کے نواسے تھے۔ آپ مکرم مولانا ہادی علی چوہدری صاحب، پروفیسر جامعہ احمدیہ کینیڈا کے بھتیجے تھے۔ مرحوم کا مختصر ذکر خیر محترمہ ثمینہ آرائیں ملک صاحبہ کے قلم سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

25 اگست 2007ء کی شام سخت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں Trenton میں Lake Ontario کے کنارے سب عزیز و اقارب جمع تھے۔ آج دوپہر سے احمد Lake میں missing تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا، امید کی لَو مدھم پڑنے لگی تھی اور بے چینی بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ رات جو قیامت سی آئی تھی قیامت سی ہی گزر گئی۔ پیارے احمد کا اب تک کچھ پتہ نہ چلا تھا۔ فکر اور پریشانی گہری ہوتی جارہی تھی۔ سب لوگ رو رو کر اور تڑپ تڑپ کر خدائے رحیم سے دعائیں مانگ رہے تھے کہ وہ قادر خدا ہے اب بھی کوئی معجزہ دکھا دے۔ ہمارا احمد زندہ سلامت واپس آجائے۔ اس کے علاوہ کچھ سننے کے لئے ذہن تیار نہ تھا مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ Rescue team کی بہت کوشش کے بعد احمد مل گیا مگر وہ اپنے سب پیاروں کو چھوڑ کر بہت دور جا چکا تھا اور اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا تھا۔ 17 سالہ احمد نے اپنے دوستوں کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان قربان کردی اور شہادت کا اعلیٰ رتبہ پالیا۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وَ اِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِعُوْن

احمد جو کسی کی چھوٹی سی تکلیف سے بے چین ہوجاتا تھا، آج سب کے غم سے بے نیاز تھا۔ اس کی روشن آنکھیں جو ہر وقت کسی سوچ اور ارادے سے چمکتی رہتی تھیں، بند تھیں۔ خوبصورت ماتھے پر چمکتے ہوئے گھنے بال تھے۔ معصوم چہرے پر سکون کے سائے تھے جیسے کہہ رہا ہو کہ آج مَیں نے اپنے مقصد کو پالیا ہے۔ احمد جو زندگی میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتا تھا، جس کو زندگی کا ہر لمحہ کسی مقصد سے گزارنے کا ڈھنگ آتا تھا، اس کی موت بھی قربانی کی ایک مثال بن گئی۔ وہ لکھتا ہے:

"Another thing I want to do in life is to achieve something so high that everyone will remember that Ahmad Choudhry made a positive difference in the world".

26 اگست 2007ء کے "Canada Post" کے سرِ ورق پر احمد کی تصویر تھی اور لکھا تھا۔

"Choudhry The Hero"

جس نے اپنے ایک دوست کو بچالیا اور دوسرے کو بچانے کے لئے اپنی جان کی قربانی دے دی۔

25 اگست کی صبح احمد اپنے کچھ کلاس فیلوز اور ان کی فیملی کے ساتھ پکنک کے لئے Lake Ontario جارہا تھا۔ اپنی امّی کو فکرمند دیکھ کر بار بار ان کو گلے لگا کر وعدہ کیا کہ وہ پانی میں نہیں جائے گا۔ احمد اپنی امّی کا بہت خیال رکھتا تھا اور

بہت احساس کرتا تھا۔اس کا اندازِ محبت پہلے بھی ایسا ہی ہوتا تھا مگر اس دن بار بار تاکیدیں کرتا رہا کہ امّی آپ فکر مت کریں۔مَیں آپ کو فون کرتا رہوں گا۔پھر راستے سے اپنی بہن (شیری) کو فون کیا کہ مَیں جتنی دیر گھر سے باہر رہوں، امّی کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ رہنا۔وہاں پہنچ کر بہن کو Text کیا کہ ان کے لئے فلاں فلاں چیز کھانے کی لے آؤ۔

احمد اپنی امی سے کئے وعدے کے مطابق پانی میں نہیں گیا تھا۔Lake کے کنارے چلتے چلتے کچھ بچے گہرے پانی میں پھسل گئے۔ احمد جو کہ اچھا Swimmer تھا اور اس نے Scuba diving کا License بھی کچھ عرصہ پہلے حاصل کیا تھا، ان کو ڈوبتے ہوئے نہ دیکھ سکا اور کپڑوں سمیت ہی پانی میں چھلانگ لگا دی۔ایک کو تو بچانے میں کامیاب ہو گیا مگر دوسرے تک پہنچتے ہی ایک تیز لہر اسے گہرے پانی میں لے گئی۔چند لمحوں میں ہی دونوں بچے بے رحم لہروں میں اوجھل ہو گئے۔اور پھر پولیس نے اطلاع دی کہ احمد missing ہے۔

عموماً 17 سال کی عمر بہت پیاری، لااُبالی اور مستقبل کی فکروں سے آزاد ہوتی ہے۔زندگی کے نئے نئے تجربات میں محو انسان کو زندگی صرف آسان اور رنگین ہی دکھائی دیتی ہے۔طبیعت ابھی فکروں اور گہرے احساسات سے ناآشنا ہوتی ہے۔گہری سوچیں، فکر اور فلسفہ تو آہستہ آہستہ عمر کے ساتھ ملتی ہوئی کامیابیوں، ناکامیوں اور آزمائشوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔احمد کی تحریریں، سوچ، فکر، فلسفہ، عملی اقدام اور پھر اس کی Accomplishments کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے گہرے فلسفے کو اتنی مختصر سی زندگی میں ہی سمجھ گیا تھا جو ایک لمبی عمر گزار کر بھی انسان سمجھ نہیں پاتا۔مجھے ابراہیم لنکن کا یہ قول یاد آ گیا:

’’آخر میں یہ فرق نہیں پڑتا کہ زندگی میں دن کتنے ہیں۔صرف یہ فرق پڑتا ہے کہ ان دنوں میں زندگی کتنی ہے۔‘‘

ہماری امّی، یعنی احمد کی دادی جان جن کی ساری زندگی جماعت کی خدمت، خدمتِ خلق اور مختلف مقاصد سے بھرپور تھی، فارغ رہنے کو سخت ناپسند کرتی تھیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتی تھیں

اپنی اس عمر کو اِک نعمتِ عظمیٰ سمجھو
بعد میں تاکہ تمہیں شکوۂ ایّام نہ ہو

وہ کہا کرتی تھیں کہ کوئی کام مشکل نہیں ہے۔اگر انسان کے لئے ایک کام کرنا ممکن ہے تو دوسرا بھی وہ کر سکتا ہے۔انسان اپنی ہمّت سے جو بھی پانا چاہے، پا سکتا ہے یا جو بھی بننا چاہے، بن سکتا ہے۔

جس طرح وہ اپنی زندگی میں طرح طرح کے Challenges کیلئے تیار رہتی تھیں، اسی طرح احمد بھی اتنی چھوٹی عمر میں اپنے دوستوں کو Encourage کرتا تھا کہ تم ضرور کچھ کرو گے اور خاص طور پر اپنے سب سے پیارے دوست حسن کو جو بتاتا ہے کہ احمد کس کس طرح اسے Motivate کرتا تھا۔شیری اور ثمین کو ہر وقت مستقبل کے مشورے دیا کرتا تھا۔دونوں سے چھوٹا تھا مگر وہ کہتی ہیں کہ احمد ہمیں ایسے سنبھالتا تھا اور مشورے دیتا تھا جیسے ہمارا بڑا بھائی ہو۔

احمد کی چھوڑی ہوئی ایک ایک چیز اس بات کا ثبوت تھی کہ اس بچے کا وقت کیسے گزرتا تھا۔لگتا تھا دادی کی سب نصیحتیں اس تک پہنچ گئی تھیں۔وہ وقت کی قدر پہچانتا تھا۔

حیرت تھی کہ وہ کیسے ایک وقت میں اتنے کام کر لیتا تھا اور کس کس قسم کی Productive مصروفیات میں مگن تھا۔اس کی Collection، اخباروں کے تراشے جن پر طرح طرح کی Information اکٹھی کی گئی تھیں، اس کی مختلف کامیابیوں پر اس پر لکھے ہوئے اخباروں کے Articles، پوری فیملی کی تصویریں Creatively اس کے کمرے کی دیوار پر لگی تھیں۔احمد ایک اچھا آرٹسٹ بھی تھا۔مختلف Jobs، Activities اور Courses کے فارم مکمل کر رکھے تھے۔ ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ کے منصوبے اس نے کتنے منظم کر رکھے تھے۔ پھر ایوارڈز اور ٹرافیاں جو ہر دو Sports اور تعلیمی کامیابیوں کا ثبوت ہیں۔پھر ایک کتاب جو احمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔اس میں ڈرائنگ، فیملی کی تصویریں اور اس کی تحریریں ہیں۔یہ کتاب اس نے 14 سال کی عمر میں لکھی تھی۔اس عمر میں اس کی سوچ کی گہرائی نظر آتی ہے۔اس میں لکھتا ہے:

"I feel that I need to achieve high standard in everything that I do in school. I try to be one of the best in the class, also in sports. I am really competitive. I like to be challenged and I like to

accomplish my goals in the highest degree possible".

احمد نے سکول میں Eleventh grade میں Twelfth grade کے آدھے کورسز 90% سے اوپر نمبر لے کر ختم کر لئے تھے۔ پوری گرمیوں میں پڑھائی ہی کرتا رہا تھا اور ساتھ ہی Mini MBA کا کورس بھی ختم کر لیا تھا۔ احمد کی شدید خواہش تھی کہ جب جلسہ پر حضور تشریف لائیں تو اس کا نام ان کے سامنے پیش ہو۔ کہتا تھا مجھے پتہ ہے کہ احمدیت بالکل سچی ہے۔

اس کے علاوہ احمد کی طبیعت میں ماں باپ کا احساس، سماجی خدمت، جماعت سے محبت، ملک سے محبت، بزرگوں اور رشتہ داروں سے تعلق اور پیار کا سلوک، مہمانوں کی خدمت، دوستوں کی رہنمائی اسے ان سب کو نبھانے کا بہت خوبصورت فن آتا تھا اور ہر پہلو سے سب کے ساتھ اس کا تعلق مکمل نظر آتا تھا۔

مجھے جو تھوڑا وقت اس کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا تو اسے دیکھ کر میں نے سوچا کہ واقعی اس بچے کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتیں دے رکھی ہیں۔ اس کی امّی سے مَیں نے کہا کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کا بچہ اتنا خدمت گزار اور لائق ہے۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ جہاں وہ گھر اور باہر کی بہت سی ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے تھا۔ میری خدمت ایسے کر رہا تھا کہ جیسے مَیں اس کی ذمہ داری ہوں۔ ماں باپ کا بہت خدمت گزار تھا۔ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔ اپنی امّی کے پاؤں دبانا، ان کے کھانے کا خیال رکھنا، یہاں تک کہ مشورہ دینا کہ آج کیا پہنیں۔ اپنے ابّا سے کہتا تھا کہ اب آپ فکر نہ کریں۔ مَیں جاب کروں گا اور گھر کے سارے بل خود ادا کیا کروں گا۔ کوئی رشتہ دار مشکل میں ہوتا تو کہتا کہ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ احمد کے دادا دادی، نانا نانی میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا مگر محبت ایسے دکھاتا کہ جب کبھی بیمار ہوتا تو نانا کی چادر اوڑھ کر کہتا کہ اب مجھے نانی جان والا قہوہ دیں تو مَیں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ دادی کے جائے نماز پر نماز پڑھتا۔ اپنی خالہ تاراجن کے ساتھ اس کے بچپن کا کچھ حصہ گزرا، ان سے بے حد محبت کرتا تھا۔ ان کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتا اور کہتا کہ بڑے ہو کر مَیں انہیں سنبھالوں گا۔ باقی تمام رشتہ داروں چچا، ماموں، خالہ، پھوپھو سب کے ساتھ بہت پیار کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ اسے اپنے دوستوں کے ماں باپ تک کا بھی خیال تھا۔ اپنے دوست حسن کی امّی کو آتے جاتے قلفی دے کر جاتا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ انہیں قلفی پسند ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں محبتوں کے اتنے پیارے تحفے سب کو دے گیا۔

ماں باپ کا شکر گزار رہتا تھا۔ لکھتا ہے:

"I value my parents as they have done so much for me that I am really grateful. ..."

پاکستان کے بارے میں لکھتا ہے کہ اسے وہاں جانا کتنا اچھا لگتا ہے مگر کینیڈا جو اس کا ملک تھا اس کی محبت کے بارے میں لکھتا ہے:

"I am grateful for my country. I am proud of saying that I am a Canadian. ..."

اس کا دل اتنا نرم اور اتنا حساس تھا کہ اگر کوئی غلط سوچ ہی آجاتی تو آنکھوں میں آنسو لئے اپنی امّی سے کہتا کہ مَیں نے آج کسی کے لئے اچھا نہیں سوچا۔ ایک دن اپنی امّی کے پاس آیا اور آنسوؤں کے ساتھ کہنے لگا امّی ابھی تو مَیں نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔ لیکن مجھے اپنے لئے اچھے خیال نہیں آرہے۔

احمد کے اپنے سکول کے بہت سے Clubs میں Executive position تھی۔ خاص طور پر بزنس کلب کا President تھا اور Young لڑکوں کو Motivate کرتا تھا۔ اس کے علاوہ Environment کے بارے میں بھی اسے بہت گہرا تعلق تھا اور اس کلب کی طرف سے Fund raising بھی کرتا تھا۔ اس کے علاوہ سکول میں Soccer کی ٹیم کا Coach بھی تھا۔ چھوٹے بچوں پر بھی بہت توجہ دیتا تھا اور ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ احمد کے دوست اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"Ahmad was not just a regular boy, he was something more ... something special. Ahmad was the smartest person we ever knew and we will ever know. He was bold and strong. He looked the world in its eyes yet he was so sensitive. He would tell friends how to talk to people, how to face the world. He deserves to be recognized. Ahmad lived and will live forever. ..."

Ontario پولیس نے اپنے "Commissioners Citation Of Bravery Award" کے لئے احمد کا نام منتخب کیا ہے۔ اسی طرح Memorial Garden میں اس کے نام کا Plaque لگوانے کا ارادہ ہے۔ فیملی اور دوستوں نے پارک کے Benches اس کے نام پر لگوانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نام کی Charity سے مستحقین کی مدد ہوگی۔

احمد کا وجود ایسے وجودوں میں سے تھا جو مختصر سی زندگی میں ہی اپنے نیک نمونہ کی وجہ سے دلوں پر ایک گہرا تاثر چھوڑتے ہیں۔ لوگوں کی زندگیوں میں ایک مثبت سوچ بھرتے ہیں۔ اپنے آرام اور جان کی پرواہ کئے بغیر قربانی دے کر سب کی مدد کرتے ہیں۔ ذہانت اور فراست سے سب معاملات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماں باپ کا حق پہچانتے ہوئے ان کی ذمہ داری وقت سے پہلے سنبھالتے ہیں۔ زندگی کے ایک ایک لمحے کو انعام سمجھتے ہوئے وقت کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ ایسے پیار و محبت کے پھول دلوں میں کھلانے والے وجود کی جدائی میں، غم کی شدت اور تڑپ ایسی زیادہ ہوتی ہے کہ برداشت کی قوت جواب دے جاتی ہے اور غم کی شدت سے آنسوؤں کا سیلِ رواں بہنے لگتا ہے۔ مگر خدا کی تقدیر کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ اس کی مصلحتیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قادر ہے اور وہی جانتا ہے۔

احمد خدا کی طرف سے ایک تحفہ تھا۔ پیار کا خزانہ تھا۔ ماں باپ اور بہنوں کے دل کی ٹھنڈک تھا۔ اپنے روشن مستقبل کی طرف بہت تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا۔ اتنے ارمان اس کے ننھے سے وجود میں تھے کہ کس کس کا بوجھ ابھی سے اس نے اٹھانا تھا۔ اس کی جدائی سے دل پھٹ رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کا احسان بھی تو سامنے ہے کہ اس رحمان خدا نے اتنا پیارا تحفہ ہمیں بھیجا جو اتنے مختصر سے وقت میں ایسی پیاری یادیں چھوڑ گیا۔ ہمارے دلوں میں ہمیشہ کے لئے محبتوں کے پیغام بھر گیا۔ آج ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ واقعی یہ خدا کا ہم پر بڑا انعام تھا۔ اس فانی دنیا سے تو سبھی نے جانا ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت سامنے تھی:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

(سورۃ الرحمٰن 55:27-29)

ہر چیز اس میں فانی ہے مگر تیرے ربّ کا جاہ و حشم باقی رہے گا جو صاحبِ جلال و اکرام ہے۔ پس تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے احمد کی گہری سوچ بہت پہلے اس سے یہ الفاظ لکھوا چکی تھی کہ کسی انسان کا سہارا سچا نہیں کیونکہ سب سہارے چھن جاتے ہیں اور پھر انسان کو صرف خدا ہی کا سہارا نظر آتا ہے۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"I think the most important piece of information that I picked up in my life is to never depend on someone else to help you out in every problem you have in your life. This is because of you expect someone else to do your work for you, you will start depending on him/her forever and if that person leaves, you wont be able to survive in real world alone and without their help..."

ماں باپ جو تصوّر نہیں کر سکتے تھے کہ احمد کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے۔ ان کو وہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سمجھا گیا کہ ہر چیز اس دنیا میں فانی ہے۔ اس ناقابل برداشت صدمہ سے وہ دل برداشتہ ہیں۔ غم اور اس شدید کرب کی حالت میں خدا تعالیٰ نے معجزانہ طور پر صبر عطا کیا۔ اس پیارے خدا نے، جس نے پہلے صبر کی تلقین کی، اس کے راستے بتائے اور پھر صبر کرنے والوں کے لئے عظیم انعامات کی بشارت دی۔

کس قدر ممکن ہے ان لوگوں کے لئے جن کے پاس یہ تعلیم نہیں کہ وہ ایسے شدید غم کے نتیجہ میں اپنے ہوش و حواس کو قائم نہ رکھ سکیں اور خدا کی دی ہوئی باقی نعمتوں سے بھی محروم ہو جائیں۔

احمد تو اب اس خدا کے سپرد ہے جو ماں باپ سے بھی زیادہ پیار کرنے والا ہے۔ اب تو یہی دعا ہے کہ وہ رحیم و کریم خدا اس کے لئے جنّت کے دروازے کھول دے۔ اس سے شفقت کا سلوک فرمائے۔ اور احمد نے فرمانبرداری اور قربانی کی جو مثالیں قائم کیں، نئی نسل کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ اور ہم سب کو جو صبر اس کی خاص عنایت سے ملا اسے قائم رکھے اور ہمیں اپنی رضا پر راضی ہونے والا بنائے۔ آمین۔

* * * * * * *

ہمارا پیارا اَحمد

ڈاکٹر مہدی علی چودھری

قلم ہے کہ اٹھتا ہی نہیں اور آنسو ہیں کہ تھمتے ہی نہیں لیکن محبتوں کا وہ قرض ہے جسے ادا کرنا بھی فرض ہے۔ اسکی محبتوں اور چاہتوں کا سلسلہ بھی اسکی کامیابیوں کی طرح اسکے مختصر عرصہ حیات سے کہیں زیادہ طویل ہے۔ وقت کچھ اس طرح گزر گیا کہ پتہ ہی نہ چلا کہ وہ ننھا سا احمد جو اپنی ہر چھوٹی بڑی چیز اپنوں کے ساتھ بانٹتا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے اپنے جذبۂ ایثار سمیت اِتنا بڑا ہو گیا کہ کسی کی جان بچانے کیلئے اپنی جان بھی قربان کر گیا۔ وہ جو کبھی ہر رات دیر تک میرے گھر پہنچنے کا انتظار کرتا تھا، 25/اگست 2007 کو ہمیں ہمیشہ کیلئے اپنے انتظار میں چھوڑ گیا۔ زخم ایسا نہیں کہ مندمل ہو مگر خدا کی رضا بہر حال مقدم ہے۔ انّا لِلّٰہِ وَ اِنّا الیہِ راجعون ۔

خاموش ہیں کچھ دیر سے اشکوں کی زبانیں
لہرایا ہے آنکھوں میں ترا زندہ تبسم

ہر گوشۂ دل میں ہے تری یاد فروزاں
مسکان لئے پیاری جو آ جاؤ کسی دم

وہ دکھ ہے کہ پھٹ جائے پہاڑوں کا کلیجہ
وہ غم جسے افلاک کی وسعت بھی پڑے کم

تو جانِ جہاں تھا تو میرا لختِ جگر تھا
جیون کے گلستاں میں تو ہی گل تھا تو ہی شبنم

کیوں چھوڑ گئے دُکھ میں اَے خوشیوں کے فرشتے
آنکھوں سے جوئے خوں ہے رواں دل میں ترا غم

کس درجہ بلند رتبہ ہے جواں تری شہادت
ہے نام وعمل تیرا رشکِ مہ و انجم

پیارا اَحمد

عفیفہ نجم

دوستی کی لاج رکھ لی جامِ شہادت پی لیا
تُند موجوں سے لڑا وہ باندھ کر سر پر کفن

پیکرِ ایثار تھا، باعزم و ہمت، آفریں
دوستی پہ کر دیئے قربان اپنے جان و مَن

مخلص وغم خوار تھا بے نفس اور بے رِیا
سب کی آنکھوں کا وہ تارا، تھا عطائے ذوالمنن

گونجتی ہے ہر طرف اس کی صدائے خوش گلو
لیک خود خاموش ہے، وہ طائرِ شیریں لحن

اس کا سندر بھولپن' تصویرِ چشمِ دل پہ ہے
پر وہ غنچہ ہے کہاں جو تھا کبھی بُوئے چمن

چھوڑ کر وہ چل دیا غم سے ہؤا دل نیم جاں
وہ ستارا گل ہوا جس سے کہ روشن تھا گگن

آج پھر اس یاد سے آنکھوں کے گوشے نَم ہوئے
غم سے جگر پھٹنے لگا، دل کا دریدہ ہے دَمن

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محترم پروفیسر (ر) محمد یوسف صاحب راہِ مولیٰ میں قربان ہو گئے

حلقہ رچنا ٹاؤن لاہور کے ایک مخلص احمدی بزرگ اور صدر حلقہ مکرم پروفیسر محمد یوسف صاحب پروفیسر ریٹائرڈ بعمر 65 سال معاندینِ احمدیت کی فائرنگ سے مورخہ 5 جنوری 2010 کو راہِ مولیٰ میں قربان ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مرحوم 5 جنوری 2010 کو صبح ساڑھے سات بجے کے قریب اپنے بیٹے کے جنرل سٹور جو ان کی رہائش گاہ سے ملحق ہے پر بیٹھے تھے کہ موٹر سائیکل پر سوار دو نقاب پوش افراد نے آکر فائرنگ کر دی۔ شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جاتے ہوئے راستہ میں ہی وفات ہو گئی۔ مرحوم نہایت نیک سیرت، ملنسار اور اچھی شہرت کے حامل تھے۔ کسی سے کوئی تنازعہ یا دشمنی نہ تھی۔ محض احمدی ہونے کی بناء پر راہِ مولیٰ میں قربان کر دیا گیا۔

رچنا ٹاؤن لاہور میں کافی عرصہ سے مخالفت کا سلسلہ جاری ہے۔ افرادِ جماعت کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں، احمدیوں کے قتل کے فتوے جاری کئے جا رہے ہیں۔ نیز مختلف مقامات پر واجب القتل ہونے کے بینرز بھی آویزاں کئے گئے ہیں۔ مخالفانہ جلسوں کا سلسلہ بھی تسلسل سے جاری ہے۔ وقوعہ سے ایک روز قبل بھی مخالفانہ جلسہ کا انعقاد کیا گیا تھا۔

آپ کا آبائی گاؤں سعد اللہ پور ضلع منڈی بہاؤالدین تھا۔ آپ 5 جنوری 1945 کو پیدا ہوئے۔ آپ کو 20 سال تک مختلف اَدوار میں بطور صدر حلقہ رچنا ٹاؤن اور تین سال تک بحیثیت زعیم اعلیٰ مجلس انصار اللہ فیکٹری ایریا لاہور، خدمت کی توفیق ملی۔ آپ پڑھے لکھے اور سلجھی ہوئی اور سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے ایم۔ اے پنجابی اور ایم۔ ایڈ کیا ہوا تھا۔ آپ گورنمنٹ ہائی سکول شاہدرہ میں سینئر سائنس ٹیچر، ننکانہ اور کوٹ پنڈی داس میں سینئر ہیڈ ماسٹر اور گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول مرید کے میں بطور پرنسپل رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا سکول محمود آئیڈیل سکول کے نام سے کھولا۔ آپ مخلص اور فدائی احمدی تھے۔ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی ہونے کے باوجود استقامت سے حالات کا مقابلہ کیا۔ خلافت کے ساتھ پختہ تعلق رکھتے تھے۔ ملنسار، نظام سلسلہ کی پابندی کرنے والے اور عجز وانکسار کے پیکر تھے۔

پسماندگان میں بیوہ مکرمہ ثریا یوسف صاحبہ کے علاوہ چار بیٹے مکرم لقمان یوسف صاحب لاہور، مکرم ہومیو ڈاکٹر محمود یوسف صاحب لاہور، مکرم فاتح الدین صاحب ایڈووکیٹ لاہور، مکرم عبدالرحمٰن صاحب (طالب علم) اور ایک بیٹی مکرمہ عظمیٰ عرفان صاحبہ اہلیہ مکرم عرفان بشیر صاحب لاہور یادگار چھوڑی ہیں۔

پوسٹ مارٹم اور پولیس کی کارروائی کے بعد مورخہ 5 جنوری 2010 کو رات ساڑھے دس بجے رچنا ٹاؤن میں نماز جنازہ مکرم ومحترم منیر احمد شیخ صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع لاہور نے پڑھائی۔ مرحوم اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ رات 12 بجے جنازہ لاہور سے ربوہ کیلئے روانہ ہوا اور صبح ساڑھے پانچ بجے دارالضیافت پہنچا جہاں بزرگان سلسلہ اور دیگر احباب نے اپنے شہید بھائی کی میت کا استقبال کیا اور آخری دیدار بھی کیا۔ میت کے ساتھ کافی تعداد میں لاہور سے احباب تشریف لائے تھے۔

مورخہ 6 جنوری 2010 کو صبح دس بجے احاطہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ میں محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی۔ عام قبرستان میں امانتاً تدفین کے بعد دُعا بھی محترم صاحبزادہ صاحب موصوف نے کرائی۔ نماز جنازہ و تدفین میں سخت سردی اور دُھند کے باوجود اہلِ ربوہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر خدام ربوہ نے مختلف جگہوں پر ڈیوٹی کے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔

احباب جماعت سے دُعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ پسماندگان و دیگر جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ہمیشہ اپنے فضلوں اور رحمتوں سے نوازتا رہے، آمین۔

آتش وخُون کا رقص

(ایک فریاد)

سیّارہ حکمت

اِک قیامت سی مچی ہے کہ روزِ کربلا ہے
کیا درد کے ماروں کا کوئی زندہ خدا ہے؟
ہر آنکھ اشکبار ہے، ہر دل ہے ویراں
نفرت کی چنگاریوں سے جل رہا ہے میرا آشیاں
نحوست، دہشت بربریت اک عفریت!
ڈس نہ لے میرے چمن کی لطافت!
بچے جو ماں کی انگلی پکڑے آئے تھے غبارے لینے
جل گئے، ایک درندہ صفت کے کھلونے سے
بک ڈپو پہ ہجوم تھا، علم کے پیاسے بچوں بڑوں کا
کتاب جو درس ہے اخوت' انسانیت' محبت کا
ہوگئی جل کر راکھ ظلم کی اس اندھیری رات میں
کہ تھا یہ موسم شادیوں، شہنائیوں، شادمانیوں کا
لڑکیاں، بالیاں خرید رہی تھیں مہندی' چوڑیاں
اور تیار ہو رہی تھیں سنگھار ہاؤس میں دُلہنیں

آنکھ میں سجائے خواب نئی جیون راہوں کے
کہ آنًا فانًا ہوئے سپنے چکنا چور
انکی مانگ میں بھر گئے لہو کے سیندور
سلائی کڑھائی، گوٹہ کناری، سجاوٹ کی وہ دکان
رقم ہوگئی، وہاں خون سے رنگیں داستان
اور وہ بھر رہا تھا آنچلوں میں قوس وقزح کے رنگ
ہو کے زخموں سے چُور خود بھی بن گیا لہو رنگ
چاٹ والا جو گِن رہا تھا دن بھر کی محنت کا اجر
بھو کے بیوی بچے تھے گھر میں اسکی آمد کے منتظر
چائے کی دکان پر تھا چھوٹا تھکن سے چُور
در پہ آنکھ ٹکائے ہے ماں' کب آئے گا گھر میرا لختِ جگر
تُو رحیم ہے، تو یہ محشر کیوں بپا ہے؟
تو قیّوم ہے تو یہ گھر کیوں جل رہے ہیں؟

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی تعیین ''پسرِ موعود''

''حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت صاحبزادہ جو مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی ہیں۔ یہی پسر موعود ہیں۔ حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

''8 ستمبر 1913 کی بات ہے یعنی عرصہ تقریباً سات آٹھ ماہ کا ہوا کہ میں اپنے مکان پر مجموعہ اشتہارات حضرت اقدس دیکھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے مجھے معلوم ہوگیا کہ حضرت میاں صاحب ہی پسر موعود ہیں۔ تب میں اسی وقت حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے آج حضرت اقدس کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ مل گیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب ہی ہیں تو جناب حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا

''ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں''۔

جب میں نے دیکھا کہ ان کا بھی یہی اعتقاد ہے تو میں نے مکان پر واپس آکر دو تین دن میں ان تمام دلائل کو جمع کیا اور حضرت میاں صاحب کے پسر موعود ہونے پر چودہ قرائن لکھے۔ چودھواں قرینہ (جو دراصل بڑا بھاری ثبوت ہے لیکن میں نے اس وقت قرینہ کا ہی لفظ لکھا تھا) اس بارے میں تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا بھی یہی اعتقاد ہے اور اس قرینہ میں مَیں نے پہلے اپنے الفاظ لکھے پھر حضرت خلیفۃ المسیح کے مذکورہ بالا الفاظ لکھے جو میری بات کے جواب میں فرمائے تھے۔ اس کے لکھنے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح کی تصدیق ان کے اپنے ہاتھ سے ہو جائے تو بہتر ہے تب میں وہ تحریر جو فل سکیپ کاغذ کے چار ورقوں پر تھی ان کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا کہ اس کو پڑھ لیجئے۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے جب قرینہ چہارم دہم پر پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ حضور نے اس دن یہ الفاظ فرمائے تھے۔ فرمایا ہاں۔ تو میں نے عرض کیا کہ حضور اپنے ہاتھ سے اپنی تصدیق کر دیں۔ ذیل میں میری تحریر یعنی قرینہ چہارم دہم کا عکس اور اس پر حضرت خلیفۃ المسیح کی تصدیق کا عکس دیا جاتا ہے اور اصل مضمون جو حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ اولؓ کا پڑھا ہوا ہے اور جس پر ان کے اپنے ہاتھ کی قلمی تصدیق ہے میرے پاس محفوظ ہے جو صاحب دیکھنا چاہیں دیکھ لیں۔

عکس دینے سے پہلے ایک بات اور یہاں لکھ دینے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جب میں یہ تصدیق کروا چکا تو دوسرے دن یعنی 11 ستمبر 1913 کو شام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے میں پاؤں سہلانے لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بغیر کسی گفتگو اور تذکرہ کے خود بخود فرمایا کہ

''ابھی یہ مضمون شائع نہ کرنا جب مخالفت ہو اس وقت شائع کرنا۔''

میں نے عرض کیا بہت بہتر''۔ (پسر موعود صفحہ 36-37)

(انصاراللہ ربوہ، فروری 2000)

تبرکات

پسر موعود کے بارہ میں ایک اہم تحریر

نقل عکس

قرینۂ چہاردہم

اِس تحریر سے دو تین دن پہلے ۸ ستمبر کو میں
حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں گیا اور میں نے
کہا کہ مجھے آج حضرت اقدس کے اشتہارات کو
پڑھکر پتہ لگگیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب
ہی ہیں تو جناب حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا
کہ "ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم
ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم
میاں صاحب کے ساتھ کس
خاص طرز سے ملا کرتے ہیں
اور اُن کا ادب کرتے ہیں۔"
یہ لفظ مینے برادرم
پیر منظور محمد سے کہے ہیں۔
نور الدین ۱۰ ستمبر ۱۳

(پسر موعود صفحہ ۲۷)

---- احمدی عورت کا عہد ----

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک عورت جو خدا تعالیٰ کا قرب چاہتی ہے جو اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتی ہے اسے اپنے تقدس کا بھی خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے اور ایک احمدی عورت جس نے اس زمانے کے امام کو مانتے ہوئے یہ عہد کیا ہے کہ اپنے آپ کو تمام برائیوں سے بچائے رکھوں گی اسے تو اپنی، عصمت اور تقدس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے اس کا لباس اس کی چال ڈھال اس کی بات چیت کا انداز دوسروں سے مختلف ہونا چاہیئے ۔ یہ نہیں کہ آزادی کے نام پر لڑکے لڑکیوں کی مکس پارٹیوں میں حصہ لے یا لباس ایسے ہوں جو ایک احمدی عورت کے تقدس کی نفی کرتے ہوں، پردے اور حجاب کا بالکل خیال نہ ہو۔ یہاں ایک بات اور بھی میں واضح کر دیتا ہوں میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ عہدیداران اگر کوئی شخص کسی عہدے کے قابل بھی ہے لیکن پردے میں کمی ہے تو اس کو عہدہ نہیں ملنا چاہیئے بلکہ اس سے بہتر ہے کہ کم علم والی لیکن اپنے تقدس کا اور حیا کا خیال رکھنے والی ہو تو اس کو عہدہ دیا جائے تو بہر حال جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا کہ جوانی میں جب لڑکیاں قدم رکھتی ہیں تو ان کے کوٹ گھٹنوں سے نیچے ہونے چاہئیں ایسے کوٹ پہننے چاہئیں جو ان کا پورا جسم ڈھانکنے والے ہوں اور بازو لمبے ہونے چاہئیں۔ ایک احمدی عورت ایک احمدی لڑکی کی پہچان یہ ہونی چاہیئے کہ اس کا لباس حیادار ہو پس اپنے لباسوں کا خاص طور پر خیال کریں کیونکہ یہ بھی ایک احمدی عورت کے تقدس کیلئے بہت ضروری ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی اگر نئی شامل ہونے والی تو اس بات کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنے لباس اپنے حیا کا پہلو مدِّ نظر رکھیں اور پرانی احمدی اس معاشرے کے بداثرات کی وجہ سے اپنے حیادار لباس سے بے پرواہ ہو جائیں۔ پس ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھیں اور اپنے جائزے لیتی رہیں ورنہ شیطان کے حملے جیسا کہ میں نے کہا میڈیا کے ذریعہ سے اتنے شدت سے ہو رہے ہیں کہ ان سے بچنا محال ہے۔ جب اپنے جائزے لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گی اپنی عبادتوں کی طرف توجہ دیں گی۔ اپنی زبانوں کو دعاؤں اور ذکر سے تر رکھنے کی کوشش کریں گی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کی وہ پھر مغفرت فرماتا ہے۔ انہیں گناہوں سے بچاتا بھی ہے کیونکہ گناہوں سے بچنے کیلئے وہ نیک اعمال بجالانے کی کوشش کر رہی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف توجہ بھی کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہوتی ہیں اور پھر صرف یہی نہیں کہ گناہوں سے ایسے لوگ بچتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مومنوں کیلئے جو تقویٰ پر چلنے والے لوگ ہیں ایک اجرِ عظیم ہے ایک ایسا اجر ہے جو نہ ختم ہونے والا اجر ہے جو دنیا و آخرت دونوں جگہ کام آتا ہے۔ پس ایسی مائیں جو نیکیوں پر قائم ہوتی ہیں ان کی اولادیں بھی نیکیوں پر چلنے والی ہوتی ہیں اس بات کا ہر عورت کو ہر لڑکی کو خیال رکھنا چاہیئے یعنی پھر ایسی عورتوں سے نیکیوں کی وہ نہریں بہہ رہی ہوتی ہیں یا جاری ہو جاتی ہیں جو دریاؤں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جو ہر برائی کو اپنے سامنے سے بہاتی چلی لے جاتی ہیں۔''

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا لجنہ اماء اللہ سے خطاب، فرمودہ جلسہ سالانہ جرمنی 2008)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ضروری اعلان

والدمحترم حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت تریسٹھ سال سلسلہ حقہ کی خدمات بجالانے کے بعد 26 ؍اگست 2009ء کو اپنے خالقِ حقیقی کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امام ہمام سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بروح القدس نے خطبہ جمعہ فرمودہ 28 ؍اگست 2009ء میں آپ کے اوصافِ حمیدہ کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے آپ کو سلطانِ نصیر، روشن وجود اور تاریخ احمدیت کا ایک باب قرار دیا ہے۔ یہ عاجز اُن کی سوانح اور سیرت پر مشتمل کتاب مرتب کرنے کا ارادہ رکھتا ہے نیز ان کی قلمی ولسانی نوادرات کو جمع کرنے کی بھی خواہش ہے۔ وباللہ التوفیق

احباب جماعت کی خدمت میں درخواست ہے کہ ازراہ کرم ان کی یادوں پر مشتمل واقعات اگر آپ ضبط تحریر میں لاکر عاجز کو بھجواسکیں تو یہ اُن کے لئے بہترین خراج تحسین ہوگا۔ نیز اگر ان کی تصاویر، آڈیو وڈیو کیسٹ، خطوط، مسودات اور دیگر مواد موجود ہو تو ان کی کاپیاں ارسال فرمادیں یا اصل بھجواسکیں تو بعد استعمال بحفاظت واپس پہنچادی جائیں گی۔ اسی طرح کوئی مشورہ اگر آپ کے ذہن میں ہو تو اس سے بھی نوازیں۔

اس اہم کام کے لئے خاکسار آپ کی علمی اور عملی معاونت پر بے حد مشکور ہوگا۔

ڈاکٹر سلطان احمد مبشر

76 کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ ربوہ چناب نگر

فون نمبر: 6215646، 6212198 47 92+

فیکس: 6213198 ,6212659 47 92+

ای میل: samubashir@gmail.com